ماخوذ منِ سیرت
مصنف
عبدالبّاسط

"عرض مصنف"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معزز قارئین۔۔۔!

کچھ عرصہ قبل استاذی حضرت مولانا عدنان کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے زیر سرپرستی سیرت سرکل المعروف ب۔**"البرہان سیرت سرکل"** کے تحت ایبٹ آباد میں ہوئے پروگرام میں حاضری کی توفیق ہوئی۔ جو کہ علماء کے لئے تھا، اللہ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس طالب علم کو بھی وہاں سے فیض یابی کا موقع عنایت فرمایا۔ اس سے پہلے بھی سیرت کی کتب کے مطالعہ کا بے انتہا شوق تھا، اور اس کے بعد سیرت کے متعلق کچھ کرنے کی، کچھ سیرت کے متعلق اپنی محنت کرنے کی طلب کی چنگاری سینے میں بھڑک اٹھی۔

جو رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کو لکھنے کا مقصد محض ان کچھ باتوں کی طرف اشارہ ہے جو ہم سیرت سے سیکھ سکتے ہیں، اور یہ کچھ باتیں جو اس طالب علم کے چھوٹے سے ذہن میں آئیں۔ یہ ابتدائیہ ثابت ہوگا ان شاءاللہ شوق مطالعہ سیرت بڑھانے کے لئے، اس کے بعد اکابر علماء کی تصانیف، احادیث، سیرۃ کی کتب کی طرف ان شاءاللہ قارئین کے متوجہ ہونے کی قوی امید ہے، ساتھ ہی سیرۃ اور سنت سے جو سیکھیں اس پر عمل کرنے کی لگن بھی دل میں پیدا ہونے کا یقین ہے۔

اس کتاب کا نام **"ماخوذ من سیرۃ"** ہے جس کے اعداد شمار 2025 بنتے ہیں۔ یہ کتاب 2023 کے اواخر میں لکھنی شروع کی اور سال 2025 میں مکمل ہوئی بفضل اللہ۔ جب بھی اس موضوع پر کام کیا الحمداللہ کوشش کی کہ بہت ہی احتیاط اور محنت سے اس پر کام کیا جائے۔ لیکن انسان سے خطا ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ اگر کوئی بھی غلطی، یا کسی قسم کی نامناسب بات آپ کو کتاب میں نظر آئے تو ازراہ کرم مجھے میل فرما کر مطلع فرمائیں، ان شاءاللہ تصحیح کی جائے گی۔ ای میل کتاب کے آخر میں ہے۔

اب اس کتاب میں بیان ہوئے واقعات سے ہم کیا اور کیسے سیکھیں کا مختصر تعارف، اس میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، بعثت کا مقصد، صحابہ کی نبی علیہ السلام سے محبت، جانثاری، جامعیت دین یعنی دین کے ضوابط وغیرہ سیرت سے کیسے سیکھیں اور بیان کئے جائیں اس طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ قبولیت کا شرف عطا فرمائیں اور نافع بنائیں آمین۔

منصب نبوت کی عظمت:

نبی کا مقام اور منصب ایسا ہے کہ کسی بھی ہلکی رائے یا بات کرنے کی وجہ سے گمراہی پھیلنا اٹل (لازمی) ہے۔ اور یہ اس عالی قدر (اونچے) منصب کو نہ پہچاننے کی وجہ سے ہے۔ نبی اللہ کی طرف سے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔

اجتباہ وھداہ الی صراط مستقیم النحل 121

اس نے اسے چن لیا اور اس کی رہنمائی سیدھے راستے کی طرف کی۔

واللہ یختص برحمتہ من یشاء-

انبیاء کرام ایسے منتخب کردہ ہوتے ہیں کہ ان کی تربیت بھی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ بھلے وہ بشر ہیں لیکن افضل البشر ہیں۔

جب نبی کی بات، عمل، حدیث سامنے آ جائے پھر کسی مفکر، عالم، وغیرہ کی اپنی رائے قائم کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ائمہ اربعہ کا اجتہاد اس ضمن میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ تو اس مقصد میں مرشدین (راہ دکھانے والے) ہیں۔

نبی کے افکار (فکر کی جمع) اللہ کی طرف سے مرتب کردہ (ترتیب دیئے گئے) ہوتے ہیں۔ نبی کا ایسا احترام ہو جائے کہ جہاں بھی نبی کی بات یا سنت ہمارے سامنے آجائے، تو کوئی حیلہ بہانہ کی گنجائش نہ رہے۔ سر فوراً خم ہوجائے (جھک جائے).

دین کی جامعیت کا تصور:

دین طرز زندگی کو کہتے ہیں یعنی ہر طرح کے کام کرنے کا طریقہ جو زندگی میں کیا جاتا ہے، دین

اس کی پوری رہنمائی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اصل میں انسان پیدائش سے پہلے اور موت کے بعد تک دین کا محتاج ہے (ضرورت مند ہے).

دین اسلام کے آنے سے سابقہ (پچھلے) سارے مذہب بھی ختم ہوگئے اور صرف دین اسلام کی پیروکاری اللہ کے قبولیت کی سند بنا۔

ایسا کوئی شعبہ نہیں جہاں دین کی رہنمائی ہمیں نہ ملے، وہ چاہے سیاست، ہو، عدالت ہو، معاملات ہوں، معاشرت ہو، تجارت ہو، الغرض ہر جگہ دین کی تعلیمات موجود ہیں۔ ضرورت ہے تو ان کو جاننے، سیکھنے، ان کو اپنے عمل میں لانے کی۔

بعض باتوں کو لیں بعض کو چھوڑ دیں ایسی کوئی حجت کی جگہ باقی نہیں رہی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد:

ربنا وابعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم-

آیاتک و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم. (البقرۃ 129)

قرآنی علوم سکھانا، تزکیہ اخلاق رذائل سے بچانا، اخلاق حسنہ کی تربیت کرتا اور ترغیب دینا، احکام پر عمل کرکے دکھانا، دین محمدی کا غلبہ تمام مذاہب پر بتانا، اور ثابت کرنا اور نافذ کرنا۔ تمام باطل نظاموں پر اسلام کے نظام کا غلبہ کرنا اسلام کی عظمت پیدا کرنا۔ اسلام کے غلبے کا شوق پیدا کرنا اور عملی طور پر ایک مثال بن جانا۔ ان کچھ مقاصد بعثت میں سے ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد ہیں۔

(میری یہ کچھ کوشش میرے انتہائی اعزہ میرے سب سے بڑے محسن میرے والدین، اساتذہ، سب محبت کرنے والوں، محبت سے دیکھنے والوں، دیکھ کر خوش ہونے والوں، کے نام)۔

16 مئی 2026

اٹھائیس ذوالقعدہ بمطابق 1447

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نکات از سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(ماخوذ من سیرۃ المصطفیٰ از حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام :

بطور درس انقلاب عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا اور مقدم فرض گمراہ دنیا کو توحید سے آشنا کرنا تھا ۔ اسی مقصد کے لیے جب عراق ، شام اور مصر کی دنیا میں بھی گھوم کر دیکھا ، اور کسی کو اللہ کا پیغام سننے والا نہ پایا ، تو عرب کی سادہ زمین جو اپنی اصلی فطرت پر موجود تھا کسی قوم کی تہذیب وتمدن سے پاک تھا ، کا انتخاب کیا اور اللہ واحد کی عبادت کرنے کے لیے چھت کے بغیر ایک چھوٹا سا گھر بنایا ۔ زمین پر یہ پہلا گھر تھا جو خالص اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا ۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی قربانیاں اور بے بہا اللہ سے محبت ، اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ بھی ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اللہ کو جان اور پہچان لینے کے بعد سب کچھ اللہ کی راہ میں دینے کا جذبہ بھی جگانا بھی ضروری ہے ۔ پھر اللہ کی شان کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی وہی جذبہ عطا ہوا جس کا چھوٹا سا نمونہ بوقت قربانی ان کی طرف سے یہ سننے میں آتا ہے : قرآن مجید میں ہے کہ " **قال یابت أفعل ما تؤمر** (الصافات) انہوں نے کہا ، اے ابا جان آپ وہ کر دیجیے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ۔ کیا شان ہے ادھر باپ اپنی سب سے محبوب چیز اللہ کی راہ میں قربان کرنے پر راضی ہے۔ اور اولاد بھی محبوب اس لیے کہ وہ کافی بڑی عمر میں عطا ہوئے تھے اور پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک بھی اس وقت کم تھی لیکن کیسے بردبار تھے اور اللہ کی طرف سے ان کو بھی عظیم جذبہ عطا ہوا تھا ۔ کم از کم ہم اللہ سے ایسے جذبے کی توفیق اپنی دعاؤں میں ضرور

مانگیں ۔ اور انہوں نے کہا کہ میرا صبر آپ کا جی خوش کردے گا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کے لیے اللہ ہی کافی ہے ۔ یہ تو صرف ایک امتحان تھا ایک آزمائش تھی ۔ادھر حکم ہوا ادھر تیاری ہوئی ۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں قرآن میں ہے کہ "ابراہیم بڑا وفادار تھا". اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف بھی قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے " وہ تھے وعدوں کے سچے اور رسول اور نبی" ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں بھی اللہ سے ایسی توفیق مانگنی ہے کہ وہ ہی ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ ایسا عمل جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو چھوٹا ہی سہی مگر ہمیشگی والا ہو ۔ اللہ سے دل بدلنے کو مانگیں وہی تو ہے جس نے دل بنایا ہے ۔آزمائشوں اور امتحانات کے وقت ہمارا بھی اللہ پر بھروسہ بڑھے ۔ اللہ پر ایمان مزید بڑھ جائے ۔(آمین)

احوال عالم قبل از پیدائش النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

نکتہ : منصب نبوت ، درس انقلاب ۔

ہاشم جن کا اصل نام عمرو تھا نہایت سخی تھے ۔ نور نبوت آپ کی پیشانی پر چمکتا تھا ۔ بنی اسرائیل کے لوگ علماء نکاح کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کرتے تھے اسی نور نبوت کے اپنے قبیلے کی طرف منتقل کے لئے ۔ پھر چاہ زمزم اور عبدالمطلب کا خواب اور زم زم کنویں کا نکل آنا ۔ اور اس سے حوض بنا کر حاجیوں کو پلانا۔ حضرت عبداللہ اور اونٹوں کے مابین قربانی کے لیے قرعہ ڈالنا اور سو اونٹوں کو قربان کرنا، حضرت عبداللہ کو اللہ کا قربانی سے بچا لینا۔ اسی طرح جس قدر زمانہ نبوت قریب ہوتا گیا اسی قدر اچھی عادات ، انوار و برکات ، اچھے آداب کا ظہور بڑھتا گیا ۔ اور یہ اچھی عادات اکثر حضرت عبد المطلب (شیبہ اصل نام) کے پاس ظہور پذیر تھیں ۔

مشہور روایات کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوری زمین کا چکر لگایا اور فطرت اور عادات کے اعتبار سے بنو ہاشم کو سب سے افضل پایا ۔ یعنی ہاشم کی اولاد ۔ حضرت عبداللہ کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے یہودی عورت کے ورغلانے سے اعراض فرمایا اور مدینہ میں حضرت آمنہ سے نکاح فرمایا ۔ اس کے بعد مشہور واقعہ حضرت عبداللہ کا شادی کے بعد انتقال فرما جانا ۔ ان سب واقعات کے ظہور پذیر ہونے

سے جہاں ہر واقعے سے الگ الگ نکتہ ضرور اخذ کیا جاسکتا ہے وہیں ان سب احوال کو اور ولادت کے وقت کے احوال یعنی کسری کے محل میں فانوس کا گرنا ، ہزار سال سے آتش کدہ جو کہ مسلسل روشن تھا کا بوجھ جانا، یہ نشانیاں تھیں کہ زمین سے کفر ، شرک کی ظلمت اور تاریکی دور ہو گی اور انوار ہدایت سے تمام زمین روشن ہوگی ۔یہ ہے نبی آخر الزماں سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ۔ نبی کے قول کو رد کر دینا کہ یہ بات سائنس نہیں مانتی ، یا یہ بات ہمارے مزاج کے خلاف ہے ۔ ہر کم علم کا موبائل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے اقوال احادیث ، فرمان و فرامین کو بے ادبی سے کہیں بھی مار دینا ، تبصرہ میں ، پیغام میں کیا یہ ادب ان کی باتوں ، احکام و واقعات کو لائق ہے اور کیا ان کی شان، ان کی عظمت ہمارے دلوں میں اتنی ہی رہی۔

نبی کی تربیت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے:::

تو بخدا نبی کے منصب کو پہچانیں ، کہ نبی اگر چہ بشر ہوتا ہے لیکن اس کی تربیت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے ۔ ایک مثال سورۃ عبس کی ابتدائی آیات ہیں ۔ ایک مثال سورۃ مائدہ کی آیت "**یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ**" ہے ۔ سورۃ عبس کی ابتدائی آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے: ترش رو ہوئے، اور رخ پھیر لیا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے) جب آیا ان کے پاس ایک اندھا (یہ صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے) اور ان (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیا معلوم کہ شاید وہ اندھا پاک ہو جائے۔

(تزکیہ کرلے) ان سرداران مکہ ابو جہل وغیرہ سے بہتر ہو۔ یعنی اللہ کو سب خبر ہے۔ یہاں سے مابعد آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے سورۃ عبس پارہ نمبر 30 سورۃ نمبر 3.

ایسے عظیم نبی ، نبیوں کے سردار ، جن کا نسب سب سے اونچا ، جن کی طہارت سب سے اونچی ، یہاں تک کہ آدم کی کل اولاد کے سردار ، ہر حیثیت سے پسندیدہ، کیا ایسے عظیم نبی کی امت میں ہو کر ہمیں ان احکام ، سنتوں کی ذرا سی بھی خبر ہے کہ وہ کونسے احکام ہیں جو ہمیں ماننے ہیں اور وہ کونسے کام ہیں جن سے ہمیں اعراض کرنا ہے ۔ ہم ایسے عظیم نبی کی امت ہونے کے باعث کن ذمہ داریوں کے مکلف ہوتے ہیں ۔ کیا ہم اپنے نبی سے محبت کرتے ہیں ؟ اور کیا ہم اپنے نبی سے عملی محبت کرتے ہیں ؟ یا صرف قولی محبت کرتے ہیں ۔ کیا ہمیں ان کی باتوں کو یونہی سن کر سبحان اللہ کہہ کر آگے نکل جانا چاہیے

۔ اور اپنے کسی مفکر ، سائنس دان کی بات کو ہی صرف غور سے سننا چاہئے ۔

نسب اطہر: منصب نبوت:

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منصب نبوت کے مناسب اور شایان شان ہی نہیں کہ پیغمبر کی بیوی فجور میں مبتلا ہو اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء و مرسلین گذرے کسی طعنہ کرنے والے نے ان کے نسب اطہر میں کبھی کلام نہیں کیا صرف یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ عفیفہ حضرت مریم صدیقہ رضی اللہ عنھا پر تہمت لگائی۔

جب پیغمبروں کی ازواج کا فاجرہ ہونا منصب نبوت کے منافی ہے تو انبیاء و رسل کی امہات و جدات (اعنی دادی، نانی،) کا غیر عفیف ہونا بدرجہ اولیٰ منصب نبوت کے منافی اور خلاف ہوگا۔

عن انس رضی اللہ عنہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

"**لقد جاءکم رسول من انفسکم**" آیت کو فاء کے زبر کے ساتھ پڑھا بمعنی:

بے شک آئے تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے افضل و اشرف خاندان سے". اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے یہ فرمایا کہ میں بہ اعتبار حسب و نسب کے تم سب سے افضل اور بہتر ہوں۔ میرے آباؤاجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کہیں زنا نہیں ہے، صرف نکاح ہے۔ (رواہ ابن مردویہ)

{درس انقلاب}

جب تم اس نبی امی (**فداہ نفسی وابی وامی**) کو اللہ کا بھیجا ہوا رسول مانتے ہو، اور تمام اقوال و افعال حرکات و سکنات میں اس کو معصوم اور مؤید من اللہ (اللہ کی طرف سے تائید کردہ) مانتے ہو تو پھر ان کی حدیث سننے کے بعد کسی ڈاکٹر یا فلاسفر کی طرف کیوں جھانکتے ہو، اور آیات اور احادیث میں ان کو دیکھ دیکھ کر کیوں تاویل کرتے ہو۔

ہاں یہ حق ضرور ہے کہ عمل سے پہلے اس روایت کی چھان بین کرلو، کہ صحیح ہے یا غیر صحیح، شرط

یہ ہے کہ مقصد حق کی اتباع ہو" (از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

یہاں پر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا ذکر کرنا مطلوب ہے کہ انہوں نے ہمیں ان کی امت میں ہمارے بن مانگے پیدا فرمایا، جن کی منزلت و رتبہ سب سے اعلی، جو محبوب ربانی، کے لقب سے سرفراز، اور سب سے اعلیٰ اگلوں پچھلوں سب میں۔

(اللھم صل علیٰ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)

ارہاص: جو امر نبی کے دعویٰ نبوت سے پہلے ظاہر ہو نبی کی ولادت سے پہلے یا بعد میں وہ ارہاص ہے۔

معجزہ: نبوت کے بعد نبی کے ہاتھ پر عادت کے خلاف کام ظاہر ہو وہ معجزہ ہے۔

کرامت: کسی ولی کے ہاتھ پر خلاف عادت کام ظاہر ہو وہ کرامت ہے۔ کرامت دراصل نبی کا ہی معجزہ ہوتی ہے، کہ جب نبی کا امتی اتنی شان والا ہے اس کے نبی کی شان کیا ہی نرالی ہوگی۔

ارہاص میں سے ولادت نبی سے کچھ وقت قبل واقعہ فیل بھی ہے۔

ولادت باسعادت:

فتح الباری ج 6 ص 766 میں کعب بن احبار کا قول ہے:

محمد رسول اللہ مولدہ بمکۃ و مھاجرہ بیثرب و ملک بالشام کعب احبار جلیل القدر تابعی ہیں، علماء بنی اسرائیل میں سے تھے، یہ شان نبی کریم کی کتب سابقہ میں ذکر تھی جو روایت کی۔

اس واقعہ ولادت سے منصب نبوت کا نکتہ اجاگر ہوسکتا ہے نبی کریم کی بوقت ولادت عظمت، کرامت، اللہ کے محبوب کی ولادت باسعادت کہ جس پر نور واقعے کو دنیا ہمیشہ ترستی رہی اور ترستی رہے گی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے طبقات ابن سعد ج 1 ص 64 کہ نبی کریم نظیف پیدا ہوئے اور پاک و صاف تھے کوئی آلائش اور گندگی جسم اطہر پر نہ تھی۔ اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ نبی اکرم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ عبد المطلب کو یہ دیکھ کر

تعجب ہوا اور یہ کہا: میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی". جو کہ ہوئی۔ اور ہے۔ جس طرح عبد المطلب کا تمام بیٹوں میں سے صرف آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ رکھ دینا جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے یہ القاء ربانی تھا اسی طرح آپ کا نام مبارک محمد اور احمد رکھنا یہ بھی بلاشبہ الہام رحمانی تھا۔ یہی نام قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں۔

محمد رسول اللہ (الفتح 29) اسمہ احمد (الصف 6)

آخرت میں بھی بوقت شفاعت آپ پر اللہ کی طرف سے وہ تعریفیں منکشف ہوں گی جو نہ کسی نبی و مرسل پر اور نہ کسی فرشتے پر منکشف ہوئیں اسی وجہ سے قیامت کے دن آپ کو مقام محمود عطا ہوگا تمام اولین و آخرین حاضرین محشر آپ کی حمد و ثناء کریں گے۔

واقعات رضاعت و بچپن:

(درس انقلاب)(منصب نبوت)(جامعیت دین) ۔

نبی کریم سے والہانہ محبت : اللہ تعالیٰ سے تعلق کی مضبوطی کی اہمیت سب سے پہلے درس انقلاب کو لے لیں جو کہ اس وقت کے واقعے کے ساتھ مناسب ہے جب حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر سے جا کر کہا کہ اللہ کی قسم میں ضرور اس یتیم بچے کو لے کر آؤں گی اور شوہر نے کہا امید ہے اللہ اس کو ہمارے لیے خیر وبرکت کا سبب بنا دے ۔(کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کس قدر بیش قیمت بچہ ہے)۔ وہ رب العالمین جس کے ہاتھ میں تمام زمین وآسمان کے سب خزائن و اختیارات ہیں وہ اس یتیم کا والی اور متولی ہے اور اس یتیم کی خدمت کرنے والوں کو وہم و گمان سے زیادہ حق الخدمت دینے والا ہے ۔ خیر بات یہ ہے کہ حلیمہ کے شوہر نے اور حلیمہ نے اللہ سے اچھے کی امید رکھی ۔جس طرح کہ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (**انا عند ظن عبدی**) صحیح البخاری کتاب التوحید۔

اللہ نے اسی امید کے مطابق حلیمہ اور ان کے گھر والوں پر برکت کا دروازہ کھول دیا ۔ دوسری عورتوں نے مخلوق سے امید و طمع باندھی اور یتیم کو اس لئے نہ چنا کہ اس گھر سے اتنا کچھ کیسے ملے گا ۔ جبکہ حلیمہ نے اس سب مخلوق کو پیدا کرنے والے سے امید و طمع باندھی ۔ وہ یتیم جو خالق کائنات کا محبوب ہے ۔ اس کا حلیمہ کے پاس آنا تھا کہ فاقوں کی ماری حلیمہ سعدیہ صحت مند ہونے لگی ۔ جہاں اپنے ایک بچے کو دودھ نہ پلا سکتی تھی وہیں اتنا دودھ ہوا کہ دو بچے بیک وقت سیراب ہوتے ، اسی طرح حلیمہ کی

سواری کا سب سے آخر میں مکہ سے نکلنے کے باوجود سب سے پہلے بنی سعد پہنچ جانا۔ یہ شان ہے یہ عظمت ہے اس نبی کی کہ جس طرح (حلیمہ) ان پر ان برکات کا نزول ہوا اسی طرح اس عظیم نبی کے طریقے کار پر چلنے ، ان سے محبت کرنے ، ان کی اطاعت کرنے والے پر کیا کیا مہربانیاں نازل ہوں گی ۔ کیا رحمتیں و برکتیں اس شخص کو محصور رکھتی ہونگی جو اس نبی سے محبت کرتا ہے ، اور ان کے طریقے پر عمل کرنے کی کوشش کو سینے میں بسائے ہوئے بھی ہے ، اور اس راستے کا راہی ہے۔

جامعیت دین میں یہ سیکھنے کو ملا کہ اچھی صحت، خالص زبان وغیرہ کے لئے اچھی پڑھائی کے لئے بچے کو خود سے دور کرنا اور کسی معتبر کے حوالے کرنا یہ اس وقت بھی رواجوں میں سے ایک رواج تھا۔ جس وقت دیں ابراہیمی کو بالکل ہی بھلایا جاچکا تھا۔

دوسرا یہ کہ ایسے ہی اجرت دے کر اپنے بچے کی تربیت اور اصلاح کے لئے غور و فکر کرنے کے لئے بھی یہاں سے دلیل لی جاسکتی ہے۔ کیونکہ یہ وہی جگہ ہے جہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فصیح عربی بھی سیکھی تھی۔

واقعہ شق صدر :

(منصب نبوت ، نبی سے والہانہ محبت)

اس واقعہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں چار مرتبہ پیش آنا ثابت ہے ۔ سب سے پہلے زمانہ طفولیت میں چار سال کی عمر میں پیش آیا جب حلیمہ سعدیہ کو اور ان کے شوہر کو علم ہوا وہ بھاگے ہوئے جنگل گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے چمٹا لیا ، اسی طرح آپ کے رضاعی باپ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے چمٹا لیا اور آپ سے نہایت شفقت کا معاملہ خیر ہمیشہ ہی رکھا۔

ہمیں بھی چاہئے کہ ان سے محبت کریں اور ان کی ایک ایک سنت کو زندہ کرنے کی کوشش کریں ، ان کے احادیث ، و فرامین کے مفہوم کو سمجھنے اور عام کرنے کی کوشش کریں ۔ بے شک ہم لائق ہیں ،کیوں کہ ہم نے کلمہ پڑھا ہوا ہے اور ان کی امت میں شامل ہیں ۔ لہذا ان کے احکام پر عمل کر کے ہی ہمیں اپنے خالق کی محبت حاصل ہوسکتی ہے ۔ اس کے حوالے سے منصب نبوت کا ایک گہرا تعلق ہے اور یہاں یہ بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ شق صدر سے مراد قطعی **شرح صدر** نہیں ہے ۔ شرح صدر والی بات

سائنس کے علوم کو سامنے رکھتے ہوئے اس واقعے سے اندازاً لگالی گئی ۔ ایک حجت ہے کہ سائنس کے تابع دین کو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ فلاں بات سائنس کے مطابق ہوگئی ، یہ دیکھو یہ ثابت ہوگیا وغیرہ ۔

ان چیزوں کی قطعاً ضرورت نہیں ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ان کی اطاعت میں جب سائنس کو بھی حائل کرنا شروع کریں گے اور ان کی سنتوں کے سائنسی فوائد بیان کریں گے تو عقلی محبت جو کہ قولی محبت ہے (اور ہر ایک کو ہے) میں کمی آے گی اور عادت یہ بن جائے گی کہ ہر واقعے کو سائنس کے بغیر سمجھنا بھی گوارہ نہ ہوگا ۔

وہیں یہ واقعہ شان نبوت بیان کرتا ہے کہ یوں سینہ کھول کر قلب مبارک کو دھو کر واپس رکھنا اور سینہ مبارک سی دینا اس کا اسرار یہ ہے کہ پہلی بار سیاہ نقطہ نکالا گیا جو گناہ اور معصیت کا مادہ تھا ، جس سے آپ کا قلب مبارک پاک کر دیا گیا اور دوسری بار دس سال کی عمر میں سینہ چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک سے لہو ولعب کا مادہ نکالا جائے ۔ تیسری بار بوقت بعثت قلب مبارک کو اسرار وحی اور علوم الہیہ کے متحمل بنانے کے لیے سینہ چاک کیا گیا ۔ چوتھی بار معراج کے وقت اس لیے چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات الہیہ اور ان تمام کاموں کا تحمّل کر سکے ۔ ہر بار شق صدر میں جُداگانہ حکمت ہے بار بار شق صدر کا مقصد یہ تھا کہ قلب مطہر کی طہارت و نورانیت انتہا کو پہنچ جائے.

<u>اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین :</u>

اللہ پاک کی بڑائی کا ماننا کہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ہمیں مار کر اٹھائے ، تو بدرجہ اولی قادر ہے کہ ایک نہیں چار شق صدر کے واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں جو کہ سائنس نا ممکن مانتی ہے سائنس کا علم ایجاد کرنے والے بھی انسان اور اس کے تابع ہر چیز کو کرنے والی بھی انسانیت ۔

جیسے عرض ہے ؛

وہ اپنے ہاتھ ہی سے پتھروں کے بت بناتے تھے ۔

انہی کے سامنے جھکتے انہی کی حمد گاتے تھے ۔

پھر اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی(منصب نبوت کی) شان کا پتہ چلتا ہے کہ کیسے وہ اللہ کی طرف سے تاقیامت ہر انسان کے لیے مبعوث کیے گئے تھے ۔ تو کیسے ان کی احادیث و فرامین کو ہم فراموش کر دیں۔ کسی خود ساختہ مفکر ومحدث کی بات کے لیے جو ان کے فرامین کے خلاف ہو ، اور سب سے بڑی بات کہ یہ مفکر کسی نہ کسی انسان کا شاگرد ہے ، خود بھی انسان ہے ، لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے استاد انسان نہیں ہوتے ، وہ اللہ کے خاص پیغمبر و چنے ہوئے خاص قاصد ہیں ، بشر ہوتے ہیں لیکن سب سے افضل بشر ہوتے ہیں ۔ رضاعت والے واقعہ میں ایک نکتہ جامعیت دین کا یہ بھی ہے کہ ہم رضاعت کے حوالے سے اپنے بچوں کو کسی دوسرے کے حوالے کر سکتے ہیں تاکہ بچہ صحت مند رہے ، دوسرا اس علاقے کی فصاحت و بلاغت بھی سیکھ جائے ، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ میں قریش ہوں ، اور بنو سعد میں میں نے دودھ پیا ہے ۔ حضرت ابو بکر کے یہ پوچھنے پر کہ " آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نہایت فصیح ہے۔ "

دین میں ہر طریقہ سکھا دیا گیا ہے ۔ اس سے بڑھ کر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے ، جو اولین ترجیح رہنی چاہیئے ۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

چچا ابو طالب کی کفالت میں:

(درس انقلاب ، نبی کریم سے محبت)

ابو طالب کی کفالت میں آنے تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شق صدر کے واقعے کے بعد زیادہ عرصہ نہیں لگا، اور آپ صرف چھ سال کے تھے اور والدہ انتقال کرگئیں ، چھ سال کی عمر میں ہمارا نبی ماں سے بھی محروم ہو رہا ہے ، اور ہمیں ہر قسم کی آسائش و سہولت چاہیے ۔ پریشانی اور آزمائش سے تو ہمیں ہر وقت چھٹکارا چاہیے ۔ ہم یہاں اپنے نبی کی اس وقت کی مشکل گھڑی کو محسوس کر کے تو دیکھیں ، کہ آٹھ سال کے ہوئے ہیں تو دادا جو آپ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے اور آپ ان کی کفالت میں تھے ، ان کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ایک روایت طبقات ابن سعد میں اس طرح ہے کہ جس وقت جنازہ اٹھا عبد المطلب کا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے ۔ یہ میرے نبی کا بچپن ہے ، جہاں ہر کوئی آزمائش پہلے سے بڑی لگتی ہے ۔ جہاں بچپن میں ہی ایسی مشکلات کا

سامنا ہے ۔ اور ایک ہم ہیں کہ ہمارے بچے بھی مادر پدر کی نعمت سے نوازش یافتہ ، اور پھر ان بچوں کے لیے ہم ہر حرام جگہ پر بھی ہاتھ مارنے پر تیار ، **ان کو نبی کی بچپن کی آزمائشیں بتائی جائیں اور یہ سمجھا دیا جائے کہ جو بھی حلال کمائی کے اندر ہوسکا ملے گا ، ورنہ ہر عید پر نیا جوڑا پہننا ضروری نہیں** ۔ نبی کی بچپن کی آزمائشوں کو سامنے رکھ کر خود اپنی آزمائشوں کو چھوٹا گردانا جائے ، اور سیرۃ النبی ایسے پڑھی جائے کہ ہر واقعہ نبی کی زندگی کا ، ہم پر اثر انداز ہو، اور ہمیں تبدیل کر ڈالے ۔

سیرت پڑھنے کے لئے کچھ کتب کی تجاویز عرض ہیں:

سیرۃ المصطفٰی: حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ اس موضوع پر بہت کچھ مضامین، واقعات کا احاطہ کرتی کتاب ہے۔ مشورہ ہے کہ ہر گھر میں ہونی چاہئے اور ایک بار سال میں مکمل ضرور پڑھی جائے۔

الرحیق المختوم مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ علیہ کی اس عظیم موضوع پر لکھی گئی انعام یافتہ کتاب، اور پہلے عربی میں لکھی گئی، بعد ازاں مقبولیت کے باعث اسے اردو میں بھی حضرت نے خود ہی ترجمہ بھی فرمایا۔

ہادئ عالم، جو کہ حضرت مولانا مفتی شفیع احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے بڑے بھائی حضرت مولانا ولی رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خوبصورتی سے لکھی کہ اس پوری کتاب میں ایک بھی نقطہ والا لفظ نہیں استعمال کیا، اور ہر فرمان، آیات کے تراجم، واقعات وغیرہا جیسی سب اہم باتوں کو اسی طرح ادا کیا جیسا ان کا حق تھا۔ یہ کتاب آپ کو سیرۃ کے مطالعے کے ساتھ ساتھ اردوئے معراء سے بھی روشناس کراتی ہے۔ اور اس میں ان سب حالات و واقعات پڑھنے میں اور بھی نورانیت محسوس ہوتی ہے۔

سیرت پر لکھی گئی کتب میں سے یہ صرف چند ہیں جن کو مشورہ کے طور پر شامل کیا گیا ہے ورنہ صرف سیرت پر لکھی گئی کتب کے بارے میں لکھنا ایک الگ مستقل رسالے کو طلب کرتا ہے۔

(واقعات) بکریاں چرانا ، حرب نجار ، حلف الفضول ، تجارت کرنا ۔

بکریاں چرانا انبیاء کرام کی سنت مبارکہ ہے ۔ اسی طرح نبی کا اجرت پر بکریاں چرانا منصب نبوت کے خلاف نہیں ، جیسے کہ آپ کی حدیث مبارکہ میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا ، کو تکلف کر کے قیراط کو ایک مقام کہہ دینا کہ بکریاں چرانا اور اس پر اجرت لینا منصب نبوت کے شایان شان نہیں ہے یہ بے شک نہیں ہے مگر کسب معاش کے لیے اجرت اور معاوضہ پر کام کرنا یہ تو ہر گز نبوت کے خلاف نہیں ہے نیز یہ فعل نبوت ملنے سے کافی قبل تھا ۔

حکمت : تمام انبیاء کرام کا بکریاں چرانے کی سنت مبارکہ پر عمل کرنا دراصل اس مشکل کام اور ذمہ داری کا پیش خیمہ ہوتا تھا جو نبوت کے بعد ان کی ذمہ داری بننے والا ہوتا تھا ۔ جانور چرانے میں سب سے مشکل کام بکریاں چرانا ہے کہ کہیں کوئی بکری ریوڑ سے الگ نہ ہو جائے اور بھیڑیا اسے اٹھا کر نہ لے جائے ۔ صبح سے شام تک راعی اس فکر میں ان کے پیچھے پیچھے رہتا ہے اور اپنا آرام قربان کرتا ہے ۔ اسی طرح انبیاء کرام کا حال امت کے ساتھ ہوتا ہے کہ ان کی اصلاح و فکر میں کوشش کرتے رہتے ہیں شفقت سے ان کو اپنی طرف بلاتے ہیں ، ان کی بدتمیزیوں پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ امت شیطان اور نفس کے حملوں سے بے خبر ہوتی ہے جیسے بکریاں بھیڑیے کے حملے سے ۔ امت کو تو اپنی ہلاکت کا خیال بھی نہیں ہوتا لیکن نبی ، کریم اور شفیق ہوتے ہیں کہ ان کی حالت کو دیکھ کر اندر ہی اندر پریشان ہوتے رہتے ہیں ۔

جیسے سُورۃ شعراء میں **لعلك باخع نفسك ألا يكونو مؤمنين-** سورۃ الاحزاب میں **النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم** ، اس وجہ سے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وجہ سے ہی ان کی امت کو صحیح راستے کا علم ہوا ۔

اللہ تعالٰی کی انبیاء کرام علیہم السلام کی تربیت فرمانے کی دلیل :

دوران تجارت ایک شخص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ میں نے کبھی لات اور عزیٰ کی قسم نہیں کھائی اور اگر میرا گزر بھی لات اور عزیٰ پر ہوتا ہے تو کنارہ کشی کے ساتھ وہاں سے گزرتا ہوں ۔ دلیل ہے اس بات کی کہ نبی نبوت ملنے سے پہلے سے ہی اللہ تعالی کی خاص نظر کرم ، ورحم اور تربیت میں ہوتا ہے ۔ اس لیے یہ اعتراض کرنا کہ نبی کو نبوت ملنے سے پہلے جو کام نبی نے کیے ، فرمائے وہ سنت نہیں ہیں ، یا وہ اہم نہیں ہیں جہالت ہوگی ۔ ہمیں نبی کریم کے منصب کو پہچان لینے کے بعد ان کے بچپن سے

بھی محبت کرنی ہے ، اور ان کی جوانی سے بھی ، ان کے قول سے بھی ، ان کے فعل سے بھی غرض ہر طرح سے ۔ اور تبھی جا کر اس آیت مبارکہ پر عمل ہوسکے گا ۔ **النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم** ۔ انفس نفس کی جمع ہے ، اور نفس خواہشات کی طرف میلان کرتا ہے یعنی اس خواہشات کو بھی دبا کر محبت کرنی ہے ، نہ کہ اپنی محبت میں خواہشات کو اجاگر اتنا کردیں کہ کافروں کے سے تہوار منانے لگ جائیں اور اس کو عین ثواب و اطاعت بھی سمجھیں ۔ میرا مقصد یہاں میلادالنبی کے نام سے منایا جانے والا رسمی تہوار ہے جو خواہشات کی بناء پر وجود میں آیا اور جس کا اسلام سے اور نبی کریم کے احکام سے کوئی تعلق نہیں ۔

شان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم :

اسی طرح واقعہ تجارت میں برکت اور نفع ہونا ، فرشتوں کا آپ پر دوران سفر سایہ کرنا ، جیسے واقعات اجاگر کرتے ہیں کہ نبی کی عظمت اور مرتبہ بہت بلند ہے ، جن کے لیے دنیا کے قانون کے خلاف چیزیں اور واقعات پیش آرہے ہیں ۔ان کی شان نرالی ہے جن کے لیے درخت سایہ کرتے تھے ۔ جن کی محبت میں مسجد نبوی کا وہ تنا بھی رویا تھا جس پر نبی علیہ السلام ٹیک لگا کرتے تھے، اس تنے سے جدائی برداشت نہ ہوئی ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں کچھ نکات جو لکھے جاتے ہیں ، ہوسکتا ہے کہ کم ہوں ، اور صحیح ہونے کی امید اور دعا ہے ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فہم و فراست ہماری ماؤں ، بہنوں ، بیٹیوں کے لیے بڑا سبق ہے کہ پیغمبر سے نکاح کی متمنی ہوئیں اور **سب کو علم ہے کہ نبوت ورسالت دنیا کی عیش و عشرت سے کوئی لینا دینا نہیں رکھتی ۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ان چیزوں کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے ۔ مگر انہوں نے فقر و فاقہ کو ترجیح دی اور دنیا سے دوری اختیار کرنے میں کوئی عار نہ دکھلائی تو عیش و عشرت کو چھوڑ دینا پڑے اور دین پر عمل آسان ہو رہا ہو ، اس کی راہ میں رکاوٹیں نہ آ رہی ہوں تو ایسی جگہ عورتوں کو رشتہ کرنے کی ترغیب کا نکتہ نکل کر سامنے آتا ہے ۔**

اسی طرح دینداری اور عمل کرنے کا ایک راستہ یہ ملتا ہے اپنے سے بہت زیادہ بڑی یا چھوٹی عورت سے نکاح کرنے کو بھی عار نہ سمجھنا چاہیے ۔ ایک نکتہ یہ نکل کر آتا ہے کہ لڑکی والے خود اپنی لڑکی رشتہ کے لیے پیش کرنے میں عار نہ سمجھیں ۔ جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے پہل ہوئی ۔

پھر پیغمبر کی ایسی زوجہ بنیں کے اللہ کی طرف سے حضرت جبرائیل سلام پیش کرنے حاضر ہوئے ۔ ایسی زندگی گزارنے کی تمنا ہم سب کو کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ کر خوش ہوں اور فرشتوں کے سامنے تذکرہ کریں ۔ (تمنا کے بجائے کوشش) ۔

تعمیر کعبہ : (درس انقلاب)

یہ واقعہ یہ ثابت کررہا ہے کہ کہاں کفار کا نبی پر بھروسہ کا یہ عالم تھا کہ سب سے پہلے حرم میں موجود دیکھتے ہی بے اختیار کہہ اٹھے ، **ھذا محمد الامین ، رضینا ، ھذا محمد الامین**

اور آپ کے فیصلے سرخم تسلیم کرتے ہوئے ویسا ہی کیا جیسا آپ نے کہا ۔ کہ کیسے آپ کی نبوت سے قبل ہر بات پر یقین کر لیتے تھے اور نبی سے کتنی محبت کرتے تھے ۔ حتی کہ نبوت ملنے کے بعد بھی نبی پر بھروسہ اتنا ہی تھا کہ نبی کریم کے بوقت ہجرت مدینہ ان کے پاس کفار کی امانتیں موجود تھیں ۔ جو حضرت علی کے حوالے کی تھیں ۔ لیکن مقصد یہ ہے کہ نبوت کے اعلان کے بعد اور ان کو ایسے کام چھوڑنے کے لیے کہنے کے بعد جو ان میں رچ بس گئے تھے ، اس امتحان میں کچھ ہی پاس ہوئے ۔ خدارا ہم بھی نبی کی محبت کو صرف قولی محبت تک محدود نہ رکھیں بلکہ عمل کرنے والے بن جائیں اور نبی کریم کو اپنے مال و جان ، نفس، خواہشات ، اولاد ، والدین غرض یہ کہ سب سے زیادہ محبت کرنے والے بن جائیں کہ جب جو چیز فرمان رسول سنتے ہی قربان کرنی پڑے ہم اس سے پیچھے نہ ہٹیں ، چاہے وہ کوئی عادت ہو ، خواہش ہو یا کوئی رشتہ ہی کیوں نہ ہو ، کہ نبی کی محبت سے بڑھ کر ہمارے لیے کچھ بھی نہیں ہے ۔

آغاز وحی :

منصب نبوت اتنا عالی قدر ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا ۔ لگاتار بیان کرتے رہنے کے باوجود اس کا حق ادا نہ ہوسکے ۔ اس واقعے کے ذیل میں نا چیز کو تدریس انقلاب ضرور سمجھ آیا ، اسی طرح ایک نیا طریقہ " الحمدللہ " سیکھنے کو ملا ۔

تدریس انقلاب یا درس انقلاب ایسے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کبھی کبھار اکیلے رہ لینا ، یا غاروں کی طرف نکل جانا بالکل بدعت نہیں سنت ہے ۔ تو اس کا اہتمام لازمی کیا جائے کہ اللہ کو اکیلے میں جب بھی موقع ملے تنہائی میں پکاریں ۔ ذکر و فکر کریں ، نوافل پڑھیں ، کیونکہ تنہائی نصیب ہوئی اور پھر ذکر و عبادت بھی ، نور علی نور ہے ۔

پھر درس انقلاب ایسے کہ: پہلے وہ طریقہ جان لیں جو نیا سیکھنے کو ملا وہ یہ ہے کہ جبرائیل امین نے تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دبایا یعنی سینے سے لگایا اور چھوڑ دیا ۔ اور کہا کہ پڑھیے ۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن عباس کو سینے سے لگا کر دعا فرمانا کہ (**اللھم علمه الکتاب**) (بخاری شریف)

یہ فیض پہنچانے کا ایک طریقہ ہے جو سنت ہے ۔ اسی طریقے سے ولی اللہ اولیاء اللہ کا کسی کو فیض پہنچانا ثابت ہے ۔ درس انقلاب تو سامنے ہی ہے ، لیکن پھر بھی عرض یہ ہے کہ علمائے حق ، اولیاء اللہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی محافل کا اہتمام سے شمولیت کا ارادہ رکھا جائے اور اس کی کوشش کی جائے جب یہ دوریاں ختم ہونگی تو ان شاءاللہ وہ موقع بھی نصیب ہوگا کہ اس طرح اولیاء اللہ ، اور علماء سینے سے لگا کر دعا دیں گے جو ان شاءاللہ فیض کا ہی موجب ہے ۔ با برکت ہے.

تو اللہ کے لیے اگر اپنی زندگی میں اصل انقلاب چاہتے ہیں تو علماء اور اولیاء کے خلاف نفرتوں کے خول کو توڑ دیں ، اور اچھوں بروں کو پہچاننے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں اور **ہدایت مانگیں کہ یہ واحد دعا ہے جو رد نہیں ہوتی ، ہر حال میں قبول ہوتی ہے ۔ اور دنیا میں ہی اس کا ثمرہ دیکھنا نصیب ہو جاتا ہے ۔**

مزید اس میں کچھ فوائد و نکات جو جامع انداز میں پیش کئے جاتے ہیں۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے واقعہ کا ذکر حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان پر کوئی واقعہ پیش آئے تو اگر اہل خانہ دیندار و سمجھدار ہوں تو سب سے پہلے ان سے تذکرہ کرے۔ یعنی ان کو اہمیت دے۔ نہ کہ آج کے کچھ بے وقوف لوگوں کی طرح عورت کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس لائن کو مشہور کرے، اور اس کا مصداق بھی بنے۔ میں کچن سے نہیں سیکھتا۔

پھر واقعہ نادر تھا تو حضرت خدیجہ کا نبی کریم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا اس بات کی دلیل

ہے کہ جب کوئی مسئلہ یا واقعہ نادر پیش آجائے تو علماء ربانیین پر پیش کرنا چاہئے۔ نہ کہ خود مسائل کر حل کرتے بیٹھنا چاہئے، اور نہ ہی خود ساختہ نام نہاد علماء کے پاس جانا چاہئے۔ اس کے ساتھ جس طرح نبی کریم کو حضرت خدیجہ ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں اسی طرح کوئی راہنما اور رہبر کو مناسب ہے ساتھ رکھنا چاہئے جو عالم اور آپ کے درمیان تعارفی کردار ادا کرے۔ اسی طرح اکابر کے ادب کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ چاہے یہ ان کے پاس جانے والا، ان سے بڑا ہی عالم کیوں نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ابھی ابھی نبوت ملی تھی، مگر ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تھے۔

جامعیت دین :

پھر اسی طرح ابتداء بعثت میں حضرت جبریل کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو اور نماز کی تعلیم دینا یہ دین کے راہنما اصولوں میں سے سب سے پہلی چیزیں ہیں جو سکھائی گئی۔ تو آج ہمیں کیا ہوگیا کہ ان دو چیزوں کو ہی زیادہ اہمیت نہیں دیتے، ہر وقت باوضو رہنے کی پابندی نکل گئی، اسی وجہ سے نماز بھی باجماعت ادا کرنے کی پابندی نکل گئی۔ اور بعض اوقات نماز کی اہمیت ہی دل سے نکل گئی۔ نماز کی پابندی ہی نہ رہی کہ جمعہ، جمعہ کی پڑھ لی، یا جو موقع ملا تب پڑھ لی۔

خفیہ دعوت کے دور میں خفیہ دعوت دینا اور صحابہ کا مسلمان ہونا شروع ہونا:

یہاں سے ایک نکتہ، ایک جامعیت دین کا رہنما اصول اور طریقہ نکل کر سامنے آتا ہے کہ دین کے مطابق اور دین کی خاطر جب کام کرنا مقصود ہو پھر وہ کام کوئی بھی ہو سیاست ہو، جہاد ہو، یا کچھ اور شروعات ایک منظم نظام بننے تک خفیہ رکھنے میں کوئی برائی نہیں، بھلائی ہے۔ جب قوت قابل اور لائق ہو جائے تب اعلانیہ اپنے مقاصد کو حاصل کیا جائے۔ اور نیت اور کام خصوص بالخصوص اللہ کے دین کی سر بلندی کیلئے ہو۔ تو اس طریقہ نبوی پر عمل کرنے سے ان شاءاللہ کام کے مکمل ہونے اور ثواب ملنے کی بھی امید ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے جو موثر ہے، جب کسی نادر مسئلے کو معاشرے میں اجاگر کرنا مقصود ہو جیسے آج کل جہاد کے لئے مسلمانوں کو ترغیب دینا، ایسے ہی سیاست میں علماء اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ دار ارقم سے دین کی تعلیم و تعلم کا کام آسان ہوا اور صحابہ خفیہ طور پر قرآن سیکھنے آنے لگے ۔ یعنی دار ارقم اسلام کا سب سے پہلا قرآن سکھانے والا مدرسہ بھی ہے ۔

اس کے علاوہ سابقین اولین کا دار ارقم میں آکر اسلام قبول کرنا ، اور وہاں سے دوسرے ساتھیوں کو دعوت دینے کے لیے نکلنا ، اول تو یہ خفیہ دور نبوت میں خفیہ طریقے سے ہو رہا تھا جس کی مصلحت و نکتہ یہ بیان ہو چکا کہ منظم نظام اور جماعت کے تیار ہو جانے تک خفیہ طریقے سے کام کرنے میں حکمت ہی حکمت ہے ۔ دوسرا دار ارقم ایک قسم کا مرکز بھی کہلایا جاسکتا ہے جہاں سے تعلیم و تعلم ، اور تبلیغ کا کام مسلسل ہو رہا تھا ۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دار ارقم میں آکر اسلام قبول فرمایا ۔

اعلانیہ دعوت :

(درس انقلاب ۔ اسلامی شعائر و تہذیب)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علی الاعلان دعوت اور کفر و شرک کی ممانعت کے باوجود آپ کی اور صحابہ کرام کی استقامت اس امر کی دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام کے لیے فقط قلبی **یا** لسانی تصدیق کافی نہیں بلکہ ایسا جذبہ مؤمن کو بھی پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیے اور کافروں کے لوازم سے بے زاری بھی ضروری ہے ۔ آج ہمیں تعلقات اہم نظر آتے ہیں کہ کافروں سے تعلقات خراب ہوئے تو ملک کیسے چلے گا ۔ یہ اس جذبہ ایمانی کے کمزور ہونے کی وجہ سے ہے ۔ اسی طرح صرف قلبی و قولی اقرار باقی ہے اور ایمان کمزور ہوتا جارہا ہے ۔ کافر کے لوازم میں سمارٹ فون ، سوشل میڈیا ، انٹرنیٹ بھی مسلمانوں کی تباہ کاری کا بڑا ذریعہ بن رہے ہیں ۔ جہاں دیکھا جائے جو چیز ایمان کے درمیان رکاوٹ بن رہی ہو اس سے بری ہوا جائے۔ اسی طرح اعلانیہ دعوت دو چیزوں پر مشتمل تھی ۔ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے پر اور دوسرے احکامات، اور دوسرا طاغوت ، یعنی کفار کی علانیہ طور پر تکذیب کرنا ، اور جھٹلانا ، تمام انبیاء کرام نے اس وجہ سے کافی صعوبتیں برداشت کیں ۔ یہ اس لئے ایک دل میں دو چیزیں ، ان کی محبت بیک وقت نہیں رہ سکتی ، ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں ، اور نہ ہی اللہ نے کسی کے دو دل بنائے ہیں ۔ تو مؤمن کامل بننے کے لئے اللہ کی محبت کو دل میں کامل رکھنا ضروری ہے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے دشمن کی نفرت دل میں موجود رہے ، جس قدر دشمن کی نفرت دل میں نہ ہوگی اسی قدر اس میں اللہ کی محبت نہ ہوگی ۔

السابقون الاولون کا قبول اسلام:

جامعیت دین کا طریقہ ، صحیح سے مسلمان بننے کا طریقہ ، تربیت و تزکیہ۔

مفصل واقعات سننے کے بعد کچھ حاصل یہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ہمیشہ بن دیکھے چاہت ، اعمال ، ایمان ، خلوص کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر زیادہ ہے ۔ یہاں تک کہ قرآن میں ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے لیے "سابقون الاولون" کا خطاب استعمال ہوا ۔

اسی طرح ایمان بالغیب کے مضبوط ہونے کے لیے جس تربیت و تزکیہ کی ضرورت ہے وہ صحابہ کرام کو حاصل ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی صورت میں ، ان کی محفل میں بیٹھنے کی صورت میں ، ان کی بار بار زیارت کرنے کی صورت میں ، ان کی دعا لینے کی صورت میں ۔ ہمارے سامنے احادیث ، واقعات بے شمار ہیں ، کتابی اشکال میں مجموعات کی اشکال میں موجود ہیں ۔ پہلے اپنا ایمان و یقین ان احادیث و واقعات پر مضبوط کرنا ہو گا جو کہ ایک بھی چیز و واقعہ کسی کی کوتاہی کے بغیر ، اور ایک متواتر سلسلے سے ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں ۔ اور پھر کسی نیک عالم اللہ والے کے ساتھ تعلق مضبوط کرنا ہو گا ، کہ اس کو اچھے اعمال کی پابندی کرتا دیکھ ہمارا نفس بھی راغب ہو گا اور قابو میں رکھنے میں آسان رہے گا ۔

اسی طرح تزکیہ کے لیے خود کو کسی شیخ کے حوالے کر دینے سے مراد یہ ہے کہ شیخ برے اخلاق چھوڑنے میں آپ کی مدد کرے اور اچھی عادات اپنانے کی ترغیب دے ۔ یہی طریقہ ہے جو صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین تھا ۔ پھر صحابہ کی تربیت ایسی ہوی کہ وہ بڑے سے بڑے محاذ پر بھی استقامت کے پیکر نظر آتے ہیں ۔ جیسا کہ آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے: البتہ تحقیق اللہ نے مومنین پر احسان کیا، جب ان میں بھیجا رسول، انہی میں سے، وہ ان پر تلاوت کرتا ہے اللہ آیات، اور ان کو پاک کرتا ہے الآیت۔ آل عمران 164

دلیل کہ دل میں کفار و طاغوت کے لیے (یعنی سرکشوں کے لیے) نفرت ہونا کس قدر ضروری ہے ۔ نکتہ ایک یہاں عرض ہے: کہ جب اللہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کے قلب میں اپنے دشمنوں کا غیظ و غضب ڈال دیتے ہیں ۔ **ایمان کا میزان یوں برابر ہوتا ہے کہ ایک طرف حب فی اللہ اور**

دوسری طرف بغض فی اللہ بھر جائے ۔ سیرۃ ابن ہشام میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے **حضرت حمزہ غصے میں آ گئے اس لئے کہ اللہ نے ان کو کرامت اور شرافت عطا کرنے کا ارادہ فرمایا ۔**

کفار کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی :

اس کے ذیل میں کئی سارے واقعات آپ کی نظروں سے گزریں گے اور واقعہ طائف کو اس سے فی الحال الگ رکھئے ۔ کہ یہ مکہ کے قریش کے لوگوں ، سرداروں ، جاہلوں کے کام تھے ، جو اللہ کے رسول کی دشمنی پر متفق ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف اور ایذا پہنچائی ۔ بعض آپ کو گالیاں دیتے تھے ۔ بعض تھوکتے تھے ۔ بعض آپ پر خاک ڈالتے تھے ۔ اس سب کے علاوہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگے ۔ صرف تصور کریں کہ کوئی آپ کے ساتھ یہ کر رہا ہے اور یہ آپ کے میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت کیا ہے ۔

ع وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ، مرادیں غریبوں کی بر لانے والا ۔

کیا یہ سب مشکلات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود برداشت فرمائیں ۔ اللہ کے لیے ، اللہ کے دین کے لیے ، اس شریعت کے لیے جسے آج ہم بھلائے بیٹھے ہیں ، اس نظام کے لیے جسے آج ہم ٹھکرائے بیٹھے ہیں ۔ حتی کہ اتنی تکالیف نبی مبارک نے سہیں کفار مکہ کو فرمایا : **والذي نفسي بيده ما ارسلت اليكم الا باذبح** (جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اس کی قسم کی میں تم جیسوں کے ذبح کے لیے بھیجا گیا ہوں ، اور ایک موقع پر یہ فرمایا : اللہ کی قسم تم باز نہ آؤ گے یہاں تک کہ تم پر اللہ کا عذاب جلد نازل ہو ۔ اتنے سخت الفاظ سے نبی کریم نے یہ بد دعا بھی فرمائی ۔ وہ تو بددعا لے کر سدھار چکے ہیں ۔

ہمیں یہ فکر کرنی چاہیے کہ ہم نبی کریم کی دعا لینے والے کسطرح بن سکتے ہیں کیا صریح حدیث کے الفاظ کے ٹخنوں سے نیچے جس کا پاجامہ ہوا وہ جہنم میں ہے ۔ ہماری شلواریں ، پینٹیں ، ٹخنوں سے اوپر اٹھانے کے لیے کافی نہیں ۔ صریح الفاظ ، نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے

کافی نہیں ہے ۔ اور اسی طرح ہر وہ طریقہ ڈھونڈا جائے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ ہے ۔ اس پر عمل کیا جائے ۔ کہ ہم اپنے نبی سے خود سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں ۔ یہ کسی کو ثابت کرنے کے لیے نہیں کرنا بلکہ اپنی محبت بڑھا کر اس محبت کے لیے کرنا ہے ۔ جن پر ثابت ہونا ہوا ان پر بحکم الہی ثابت ہو کر رہے گا ۔

اب بے شک اللہ تعالی نے ہر چیز کو جوڑے میں پیدا کیا ۔ **(ومن کل شيء خلقنا زوجین)** (سورۃ الذاریات) خیر اور شر ، نور اور ظلمت ، اور یہ وہ جوڑی مراد نہیں جو ایک جوڑی ہوتے ہیں جیسے پرندوں کا جوڑ ، جانوروں کا جوڑ ، انسانوں کا جوڑ ۔

اس لیے اللہ تعالی نے جب انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا تو ان کے مقابلے میں شیطان الانس والجن کو بھی پیدا فرمایا تا کہ حق اور باطل کا معرکہ ہو اور اپنے ارادے سے حق یا باطل میں سے کسی طرف ہونے کا اختیار ملے ۔

"در کارخانہ عشقِ از کفر نا گزیر است، دوزخ کرا بسوزد گر بو لہب نباشد "

صحابہ کرام کا تکالیف سہنا ، مکہ چھوڑ کر ہجرت کے لیے آمادہ ہونا ۔

جس قدر اسلام پھیلتا جارہا تھا ، اسی قدر مشرکین مکہ کا غصہ بھی زیادہ ہوتا جارہا تھا ۔

شرارت میں کمی کوئی نہ کی اشرار مکہ نے ۔ مسلمانوں کو بے بس کر دیا کفار مکہ نے ۔

مگر اس پر بھی جب بڑھتے رہے پیرو محمد کے ، تو باہم مشورے ہونے لگے ایذاء بے حد کے)، ابوالاثر حفیظ جالندھری)

جن مسلمانوں کا کوئی حامی و مددگار تھا ان پر کفار مکہ کا کچھ زیادہ بس نہ چلتا تھا ، ہاں جو بیچارے بے سہارا مسلمان تھے وہ قریش مکہ کے جوروستم کے تختہ مشق بنے ہوئے تھے ۔ اس ذیل میں آپ نے واقعات ، حضرت بلال ، حضرت عمار ، حضرت صہیب ، حضرت خباب ، رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات سنے، پڑھے ۔ ان صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام ارشاد سنایا: کہ تم اللہ کی زمین پر کہیں بھی چلے جاؤ یقیناً اللہ تم سب کو جمع کر دے گا، اور ملک حبش کی طرف اشارہ فرمایا۔ (عیون الاثر جلد 1 ص (115)۔

نکتہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ظاہری اور جسمانی مصیبتوں سے اکتا کر تنگ آکر نہیں بلکہ کفر وشرک کے فتنے سے اپنے دین اپنے ایمان کو بحفاظت بچانے کے لیے ، محض اطمینان سے اپنے اللہ کا نام لینے کے لیے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ یہی مقصد تھا ، ہجرت حبشہ اولی اور ہجرت حبشہ ثانیہ کا ۔ یہ بات یہاں سے ثابت ہوتی ہے کہ قریش نے جب دیکھا کہ مسلمان تو مطمئن ہوگئے حبشہ جاکر اور اطمینان کے ساتھ اسلام پر عمل کرنے لگے ، تو انہوں نے اپنی سی کوشش بھی کی تھی ، کہ مسلمانوں کو نجاشی کے ذریعے سے واپس لا سکیں ۔ اور جیسا کہ وہاں پر نجاشی کا مسلمانوں سے ان کا مدعا سننے کا فیصلہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو برا بھی گزرا ، کیوں کہ وہ بھی یہ خوب جانتے کہ صحابہ کرام جو کچھ بیان فرمائیں گے وہ حق ہے ، اور حق کی تاثیر ایسی ہے کہ ادھر زبان سے نکلا ادھر دل میں اترا ۔

اب ایک اور نکتہ اور واقعہ یہاں سے کافروں تک کے سچ بولنے کا دیکھئے ، کہ حضرت عمر و بن عاص (جو کہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور عبداللہ بن ربیعہ سے جب نجاشی پوچھتا ہے کہ کیا یہ لوگ کسی کے غلام ہیں جو بھاگ کر آئے ہوں ، یا کسی کا قتل ناحق کر کے بھاگے ہوں ، یا پھر کسی کا مال لے کر بھاگے ہیں ۔ تو ان سب باتوں کے جواب میں حضرت عمرو بن العاص نے اس وقت بھی سچ کا راستہ اختیار کیا اور کوئی بھی جھوٹ نہیں باندھا ۔ جب کہ وہ اس وقت ان کو واپس کسی بھی طرح مکہ لے جانے کے لیے حبشہ آئے ہوئے تھے ۔ آج خود کو مسلمان کہنے والا چھوٹے سے چھوٹے معاملہ پر کیسے بے دھڑک جھوٹ بولتا ہے۔ چہ جائیکہ بڑا معاملہ و کام۔ تجارت ہو، سودے بازی، مزاح ہو، وغیرہ۔

سفر طائف:

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے تکالیف بھرا دن۔

اپنوں نے مارے پتھر غیروں نے بھی ستایا ، زخموں سے چور ہیں پر لب پر گلہ نہ آیا ع۔

اس واقعہ میں ہمیں ان تکالیف کا اندازہ کر لینے کی توفیق ملتی ہے ، کہ کہنے سننے اور پتھر مارنے تک کے واقعات جہاں آپ کا اور میرا نبی بالکل تنہا حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ موجود ہے ، اور اوباش لڑکے ، بازاری لڑکے ، جن کو صرف آپ نے ابھی تک دور سے ہی دیکھا ہو گا یا شاید دیکھا بھی نہ ہو ۔ اس قسم کے لڑکے وہ بھی زمانہ جاہلیت کے کفر کی حالت میں ، آپ کے اور میرے نبی کو گھیرے رہتے ہیں ، آپ پر پتھر برساتے ہیں ، آپ پر ہنسی اڑاتے ہیں ، اور آپ کو اس طرح رخصت کر رہے ہیں طائف سے ۔ یہ اتنا

مشکل دن تھا جو نبی کریم نے گزارا کہ زندگی میں احد کے واقعے سے بھی زیادہ مشکل وقت اس وقت کو قرار دیا ۔ قریش ساتھ نہیں دے رہے ، مسلسل ایذاء رسانی کے لیے کوشاں ہیں ، شفیق چچا فوت ہو چکے ہیں ، جن کی وجہ سے قریش کو کافی حد تک لگام تھی ۔ گھر میں شفیق سہارا زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ کا بھی نہیں رہا ، ایک منہ بولے بیٹے کے ساتھ ایسے علاقے میں موجود ہیں جہاں پر آپ کے پیچھے اوباش لڑکوں کو لگا دیا جاتا ہے ۔

لیکن پھر بھی، جب آپ سے اجازت مانگی گئی کہ اہل مکہ اور اہل طائف کے لوگوں کو پہاڑوں سے پیس دیا جائے ، تو آپ فرماتے ہیں کہ نہیں ، مجھے اللہ سے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جو صرف اسی کی عبادت کریں گے ۔

حاصل یہ ہے کہ یہ جاننا ہمارے لیے لازم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اتنی تکلیفیں اٹھائیں اور اگر ہمیں علم ہو گیا ہے تو ہمیں اس حق دین کی اتباع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیے ۔ دنیا کی معاشرے کی باتوں سے گھبرا کر دین پر عمل کرنا نہیں چھوڑنا چاہیے ۔ نبی تو اس دین کی وجہ سے پتھر بھی برداشت کر رہے ہیں ۔ اس طور پر پتھر لگ رہے تھے کہ آپ اس قدر زخمی ہوگئے کہ خون بہنے لگا ۔ آپ اندازہ لگائیں اگر آپ کے پیر سے خون نکل آئے کیل وغیرہ لگ جانے سے ، کیا اس خون کی وجہ سے پیر چپل سے چپک نہیں رہا ہوتا ، کیا وہ کیل کا درد قابل برداشت رہتا ہے، کچھ دن تک ، بلکہ وہ درد بھی محسوس ہوتا ہے بہت دنوں تک ۔ اور یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی درد کے ساتھ لوگوں کے ایسے اخلاق کی وجہ سے کیا دلی تکلیف نہ ہوئی ہو گی ۔

صحابی کی محبت :

پھر اس واقعہ میں حضرت زید بن حارثہ کی نبی سے محبت تو دیکھیں کہ ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ جو پتھر بھی لگے مجھے لگ جائے ، میرے محبوب کو میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ لگے ، اس کوشش کی وجہ سے حضرت زید کا سر بھی زخمی ہو گیا ۔ کیا ہم میں ابھی صرف وہ والا قولی اقرار موجود ہے کہ اگر ہم ہوتے تو یہ کرتے اور وہ کرتے یا عمل کی تڑپ ہے ۔ کہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر کے دیکھائیں ۔

درس انقلاب :

با جماعت نماز پڑھنا نبی کو پسند ہے ۔ مسواک کرنا نبی کو پسند ہے ۔ ٹخنے سے شلوار اوپر رکھنے کا حکم نبی نے دیا ہے ۔ داڑھی بڑھانے اور مونچھوں کو کترنے کا حکم نبی نے دیا ہے ۔ دوسروں کی تشبیہ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے ، وہ دوسرے غیر مسلم ہوں تب بھی ، وہ دوسرے مخالف جنس کی تشبیہ اختیار کرتے ہوں تب بھی ، غیر مسلموں کی طرح کپڑے پہننا ہو ، یا سر کے بال رکھنا ہو ، داڑھی کاٹنا ہو ، مونچھوں کا طرز بنانا ہو ، کیا یہ سب الٹے کاموں سے توبہ کرنا پتھر کھانے سے آسان نہیں ہے ؟ اگر ہے تو ہم سے جب آسان کام نہیں ہو رہا ، ہم کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم نبی کی خاطر پتھر بھی کھا سکتے ہیں ۔ اللہ کی رضا و محبت چاہیے تو اس نبی کی اتباع کیجیے جنہوں نے اس دین کو ہم تک پہنچانے کے لیے کتنی تکالیف اٹھائیں ۔

" قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله" (القرآن).

اسراء و معراج:

منصب نبوت، درس انقلاب۔

جیسا کہ آپ نے تمام واقعات پڑھے، سنے، جو کہ معراج کے ہیں۔ اول ان واقعات پر ویسے ہی ایمان رکھنا اور لانا ہے جیسا اصحاب رسول نے ایمان لایا۔ کسی حیلے اور حجت، دلیل اور بحث کے بغیر من وعن ویسے ہی یقین کرلیا اور ایمان لے آئے،

دوم کسی واقعے میں ردوبدل کی کوشش نہ کی جائے۔ کہ سائنس کے حوالے سے فلاں واقعہ ثابت کرنا مشکل ہے۔ فلاں واقعہ ثابت کرنا آسان ہے۔ کیا ہمیں ایمان لانے کے لئے سائنس کی ضرورت ہے۔

پھر اس واقعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب نبوت واضح ہوکر آتا ہے کہ کس قدر جلیل القدر پیغمبر ہیں آپ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر اونچا کیا کہ ایسا سفر کسی نبی نے نہیں کیا۔ اب اس قدر عالی پیغمبر محبوب نبی کی امت میں ہونے کا اعزاز ہمیں بن مانگے اور بن جانے، پہچانے ملا ہے تو اس کی قدر

ضروری ہے۔

قدر ایسے کہ نبی کی بات کے آگے کسی بات کو اہمیت نہ ہو نبی کے عمل کے آگے کسی کے عمل کو اہمیت نہ ہو۔ اور مومن کی معراج وہ ہر روز کی پانچ وقتی نماز ہے۔ کیا یہ ہمارے نبی کا ہم پر احسان نہیں کہ ہمیں ساری شریعت کے طور طریقے بھی سکھائے اور چھوٹے بڑے سب اعمال کی فضیلت بھی بتائی۔ اور بوقت معراج بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے ہماری تعریف بھی فرمائی۔ ہمیں بہترین امت فرمایا۔ ہمیں اولین و آخرین امت بتایا۔

واقعہ معراج میں تین عطایا حاصل ہوئے۔ پانچ نمازیں۔ سورۃ بقرۃ کی آخری تین آیات۔ اور معافی کا وعدہ کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنے والا نبی کا گنہگار امتی جنت میں ضرور جائے گا۔ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہ جلے گا۔

اول تو ہم یہ ٹٹولیں کہ ہم کسی قسم کے ایسے گناہ میں مبتلا تو نہیں جو شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ جیسے ریاکاری وغیرہ۔ پھر کیا نبی کریم کو ہی تمام شکر گذاری لازم تھی تمام عمر آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے، تہجد بھی قیام بھی، رکوع بھی سجود بھی، دعائیں بھی، روزہ بھی، اور فرمایا : کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ ہم دیکھیں کہ اگر ہم پانچ نمازیں پڑھ بھی رہے ہیں تو وہ کیسی حالت میں پڑھ رہے ہیں۔ اللہ سے کیا اور کتنی محبت بڑھا رہے ہیں۔ جائے نماز پر کتنا وقت گذار رہے ہیں۔ باقی باتیں بہت دور ہیں کہ ہم نوافل پڑھ رہے ہیں کہ نہیں، شکر کتنا ادا کررہے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنا جو کہ مختلف صورتوں سے ہوتا ہے اور سب سے بہترین عملی شکر ہے یہ بھی اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ دوم یہ تو ہمارے نبی کا مبارک عمل ہے۔

دنیا میں معراج آخرت میں شفاعت یہ دونوں فضیلتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں کیا ان کا منصب نبوت جاننے کے لئے یہ کافی نہیں، کیا ان کا رتبہ سمجھنے کے لئے یہ کافی نہیں۔

واقعہ معراج کے حوالے سے جو اشکال اور اعتراضات ہوتے ہیں وہ بڑی کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں مختصراً اپنے استاذ محترم کے بتائے ہوئے اعتراض و جوابات نقل کرتا ہوں۔

واقعہ معراج کے حوالے سے عقیدہ اور اشکالات مع جوابات۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا واقعہ دس نبوی (نبوت ملنے کے دس سال بعد) پیش آیا۔

بعض قائل ہیں کہ یہ واقعہ خواب میں ہوا، اور بعض سرے سے انکار کرتے ہیں، جمہور کے نزدیک یہ واقعہ حضور کو روح مع الجسد(جسم) پیش آیا۔

جو انکار کرتے ہیں ان میں سے وہ تو قرآن کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے جو یہی نہ مانے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ کیونکہ یہ بات تو قرآن میں ثابت ہے، **سپارہ نمبر پندرہ آیت نمبر اول۔**

اسراء سیر سے ہے یعنی رات کو سیر کرانا۔ معراج عروج سے ہے یعنی بلند کرنا، بلندی پر لے جانا۔

اسراء قرآن سے ثابت ہے جس کا منکر کافر ہے۔

معراج احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور اس کے منکر کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے۔ گمراہ ہونے پر اتفاق ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ واقعہ خواب میں پیش آیا: ان کے تین دلائل ہیں،

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (**رؤیا الصالحۃ**)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (ما فقد۔۔۔الخ)

آیت قرآن **ما جعلنا الرؤیۃ التی اریناک الا فتنۃ للناس**

معراج کا واقعہ خواب میں پیش نہ آنے پر دلائل

(پہلے ان باتوں کے جوابات:)

سب سے پہلا جواب، سپارہ نمبر پندرہ کی وہی پہلی آیت.

سبحن الذی اسریٰ

سبحان اللہ ایسی بات پر کہتے ہیں جو مافوق الفطرت ہو۔ خواب پر سبحان اللہ نہیں کہا جاتا۔

اسی آیت میں ہے **بعبدہ لیلا---**

عبد کہتے ہیں جسم جو روح کے ساتھ۔ یعنی انسان۔ اور انسان روح و جسم کا مجموعہ ہے۔

پھر حضرت معاویہ کی حدیث رؤیا صالحہ سے مراد منظر حسین۔ اچھا منظر ہے۔ یعنی کیسا ہی اچھا منظر تھا جو آنکھوں نے دیکھا۔ رویت ہلال کمیٹی جیسے ہے۔ اس کا کام دیکھنا ہے چاند کو۔ نہ کہ خواب دیکھنا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا والی حدیث کا مطلب ہے نبی کا جسم گم نہ ہوا۔ یعنی اگر روح معراج پر تھی تو جسم اس روح سے گم نہ ہوا ساتھ ہی رہا۔ دوسرا مشہور جواب یہ ہے: یہ اثر ضعیف ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے، بلکہ کچھ علمائے کرام نے اسے موضوع یعنی من گھڑت اور خود ساختہ بھی قرار دیا ہے۔

جیسے کہ شیخ علوی سقاف "تخریج أحادیث الظلال" (صفحہ: 229) میں کہتے ہیں:

"یہ اثر ضعیف ہے، ابن اسحاق نے اسے منقطع سند سے روایت کیا ہے۔

تیسری بات جو قرآن کریم کی آیت ہے۔ **ما جعلنا الرؤیۃ التی اریناک الا فتنۃ للناس---**

پوری آیت پڑھنے پر "فتنۃ للناس" کے الفاظ بھی پڑھے جائیں گے۔ یعنی اس واقعہ معراج کو اللہ نے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا۔ دیکھا جائے تو خواب کی بات کیسے کسی لئے آزمائش ہوگی؟.

فلاسفہ معراج کا انکا کرتے ہیں کہ کیسے ممکن ہے۔ وقت رک گیا(1) تھکن نہ ہوئی(2)۔ آسمان بھی نہ پھٹا نہ دوبارہ جڑا(3)۔

پہلی دو باتوں کا جواب یہ ہے کہ: اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ **واللہ علی کل شیء قدیر۔** تیسری کا جواب یہ ہے کہ پہلے ثابت کیا جائے آسمان ٹھوس ہے یا مائع ہے اس کے بعد ہی پھٹنے یا جڑنے کی بات ہوگی۔

بیعت عقبہ اولی:

اللہ عزوجل نے جب اپنے دین کو اور اپنے حبیب کو، غالب کرنے کا ارادہ فرمالیا اور مکہ والے جس نعمت عظمیٰ رحمۃ للعالمین کی قدر نہ کرسکے۔ ان کو مدینہ والوں کے نصیب میں اس طرح لکھ دیا کہ روضہ اقدس مدینہ میں ہے۔ وہ انصار کے چھ لوگ جو پہلی بار نبی سے ملاقات میں شریک تھے وہ اس بات سے بے پرواہ تھے کہ قریش کی دشمنی ہے یا نہیں۔ قریش کی دشمنی کا انہیں کوئی ڈر نہیں تھا۔ ادھر یہود بھی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اس بار بھی نبی ہم میں سے آئے گا۔ تو پھر ہم نبی کے ساتھ مل کر علاقوں پر فتح کی کوشش کریں گے۔ اور ہم پر جو غالب ہیں انہیں تباہ کردیں گے۔

یہ چھ انصاری حضرات جب مدینہ پہنچے تو ہر محفل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ کا ہر گھر اور ہر محفل آپ کے ذکر اور آپ کے نام سے مانوس ہوگئی۔ بیعت عقبہ سے پہلے ان حضرات نے اتنا کر دیا تھا کہ اب جب بیعت عقبہ اولی ہوئی اس میں بارہ لوگ مدینہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ 12 نبوی حج کا موسم تھا۔ مدینہ میں انصار کا مسلمان ہونا وہ بھی قبیلہ قبیلہ گھرانہ در گھرانہ اللہ تعالیٰ کی عظیم مدد و نصرت تھی اپنے دین اپنے حبیب کی۔ اور زوردار جواب تھا ان سب کو جنہوں نے اللہ کے دین کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا کہ اللہ کو کسی کام کے لئے دین کی کسی محنت کے لئے ہماری محتاجگی نہیں ہے بلکہ یہ تو ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں اول تو اشرف المخلوقات بنایا اور پھر حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت دی اور اختیار دیا۔ ان سب کے بعد بھی ہدایت یاب وہی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتے رہتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اگر دین کا کام لینا ہو تو وہ حضرت بلال جو کہ شروع میں غلام تھے اور مکہ کے سرکش دنیادار لوگوں میں ان کی کوئی عزت نہیں تھی، ان سے دین کا کام لیتے ہیں۔ اور ان کا رتبہ بڑھا دیا کہ قیامت تک مؤذن رسول کے نام سے جانے جائیں گے آخرت میں بھی ان کا رتبہ کتنا بڑا اور عالی شان ہوگا یہ اللہ کو ہی معلوم ہے۔ اور ابو جہل جیسے اس وقت کے سردار کے دل پر بھی پردہ ڈال سکتے ہیں کہ باوجود حق کو جاننے اور ماننے کے نہ سدھر سکا۔

تربیت و تزکیہ کی اہمیت اور دلائل:

پھر اسی طرح دوسری بیعت عقبہ ہوئی، اور اس میں انصار کی کوشش محنت کی بدولت تقریباً بچھتر افراد تھے۔

اور پھر بیعت کا سنت ہونا بھی ثابت ہوا کہ نیک اعمال کرنے برے کام چھوڑنے کے لئے بیعت ہونا، کسی ایسے شیخ سے جس کا سلسلہ یونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہو، بہت ضروری ہے۔ اور پھر اس شیخ کی تربیت میں رہنا اس کے پاس آتے جاتے رہنا احوال بتانا، ان کے بتائے ہوئے اعمال پر چلنا۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ سب سے پہلے ایسے شیخ کو تلاش کریں جس کی سند مستند ہو یعنی اس کا سلسلہ / شجرہ نبی کریم سے جا ملتا ہو۔ تاکہ اس سے روحانی علاج کرایا جا سکے۔ جیسے ڈاکٹر سے جسمانی علاج کراتے ہیں حتی کہ بعض اوقات تو فیملی ڈاکٹر رکھا ہوتا ہے جو ہمہ وقت آپ کے چیک اپ کے لئے موجود رہتا ہے، اور گاہے بگاہے چیک اپ بھی کرتا رہتا ہے۔ روح کا معاملہ اس سے بھی نازک ہے کمزور بدن کی فکر تو کرتے ہیں اصل روح کو بھول کر۔ شیخ سے اپنا روحانی علاج کرواتے رہنا اور اللہ سے توفیق بھی مانگتے رہنا بے حد ضروری ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ میں نبی کریم کے ملفوظات کا مفہوم یہ ہے: میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ اس کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہر حال میں میری اطاعت کرو، اس کا صلہ جنت ہے۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔)**ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ**۔ (التوبۃ 111)

<u>مشکلات کی وجہ:</u> اب یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اللہ عزوجل کی سنت ہے کہ انبیاء و مرسلین کی، منکرین اور مکذبین کی تکذیب حد سے گذر جاتی ہے اور ان کے اصحاب پر مصیبتوں کی کوئی انتہا نہیں رہتی، حتی کہ پیغمبر ان مکذبین کی اصلاح سے ناامید ہو جاتے ہیں تو اللہ عزوجل کی مدد اور نصرت نازل ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد ہے: **ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یأتکم مثل الذین خلوا من قبلکم** (البقرۃ 214). حاصل یہ کہ بیعت عقبہ ثانیہ اللہ تعالی کی اس مدد و نصرت کی ایک کڑی تھی۔ اور اس بات کا اظہار بھی تھا کہ وہاں سے عطا کیا جاتا ہے جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔ اس طرح عطا کیا جاتا ہے جیسے سوچ بھی نہ ہو۔ مدینہ میں اس طرح تبلیغ کے لئے نبی کریم کبھی گئے نہیں تھے، وہاں کے آئے مسافروں سے ملاقات اس کا ذریعہ بنیں کہ مدینہ معمورۂ رسول ہوا۔

<u>ہجرت مدینہ:</u>

صحابہ کرام کی محبت، اطاعت، جامعیت دین۔

یہ ایک قسم کی صحابہ کرام کی جانفشانی اور محبت رسول کی ایک مثال بھی ہے۔ کہ پہلے تو نبی کریم کی محبت کی خاطر اور دین کی خاطر اپنے رشتہ داروں کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات اور سختیوں کو جھیلتے رہے۔ پھر جب نبی اکرم نے ہجرت حبشہ کا حکم دیا، مشورہ دیا تو سب (گھر بار، مال و دولت (پیچھے چھوڑ کر وہاں ہجرت کرگئے تھے۔ اور جب مدینہ کی ہجرت کا حکم ملا تو اپنی زمینیں، گھر بار، رشتہ دار چھوڑ کر مدینہ کی طرف جوق در جوق ہجرت فرمانے لگے۔ کہ اپنے دین کی حفاظت کریں، اللہ کا نام لے سکیں اللہ کی اطاعت و عبادت میں سکون کی زندگی گذار لیں۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قریش کیوں پہلے تو اسلام پر عمل کرنے نہیں دینا چاہ رہے تھے اور پھر ہجرت سے بھی جتنوں کو روک سکتے تھے روک رہے تھے۔

درس انقلاب:

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ امتحان تھا جس کو کہہ سکتے ہیں کہ ایمان والے جس میں ہلائے گئے۔ اور ان کی آزمائش ہوئی کہ وہ اپنے دعوے میں کتنے مضبوط ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ ان کی تربیت تھی کہ جس دین کو انہوں نے قبول کرلیا ہے، اور جس دین پر عمل کرنے کے وہ خواہاں ہیں اس کے لئے اپنے رشتہ داروں کی ناراضگیوں کو جھیلنا پڑ سکتا ہے۔ ان سے اللہ کی خاطر رشتہ توڑنا پڑ سکتا ہے اور ہمارے لئے ایک سبق بھی ہے کہ دین پر عمل کرنے کے لئے کسی بھی قسم کی پریشانی آئے اور مصیبت آئے اس وقت صبر کرنے کے لئے وہ **مثالیں ہمارے سامنے ضرور رہیں جو مصیبتیں صحابہ نے برداشت کیں۔ ہمارے لئے دین پر عمل کرنا آسان ہوگا۔ اپنے اقرباء رشتہ داروں کی ناراضگی برداشت کرنے کا حوصلہ بھی ملے گا اس پر اجر بھی ملے گا۔**

ہجرت مدینہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ اس امت پر واضح ہوا۔ قرآن میں ان دونوں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کا غار میں سکونت اختیار کرنا ذکر ہوا۔ قرآن میں حضرت ابوبکر کو **"صاحبہ"** فرمایا گیا۔ اسی طرح ہجرت نبی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین کو پھیلانے کی غرض سے ایک شہر سے دوسرے میں جانا جہاں کھل کر تبلیغ و دعوت کی محنت ہوسکے اور اعمال کیئے جاسکیں، یعنی اللہ کے لئے کچھ تدبیر اور حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ہجرت کی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ آگے مقصد اللہ کے دین پر عمل کرنا ہے، اور اللہ کے دین کو پھیلانا ہے جو کہ اگر پہلی جگہ حاصل نہیں ہورہا تھا۔ جیسے کہ اس واقعہ مبارکہ میں ہے۔ یہ ہجرت سنت ہوتی ہے نہ کہ بھاگنا۔ لیکن جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

فرمان ہے :

»إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لاِمْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔ (حوالہ صحیح مسلم حدیث نمبر 1907, صحیح بخاری حدیث نمبر 1

مواخات مدینہ:

درس انقلاب؛ جامعیت دین اور دین کے اہم نظام کو سکھانے کا ایک پہلو ہے۔ اس وقت خاص مہاجرین کو انصار کا بھائی بنا دینا حکمت کے تحت تھا جس کا فائدہ اور ثمرات خوب نظر آتے ہیں۔ جس میں انصار کی قربانیوں کا ایک پہلو نمایاں ہے، اسی مواخات کی وجہ سے سب مہاجر صحابہ کی خاطر خواہ مدد ہوگئی تھی۔ تمام مومن ویسے بھی آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن اس وقت کی اس مواخات کی ضرورت زیادہ تھی کہ مہاجر صحابہ کرام اپنا سب سامان، گھر بار مکہ چھوڑ کر محض اللہ کی دین پر عمل کرنے کی نیت سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے شوق میں مدینہ آئے تھے۔ اس مواخات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثابت ہوگیا دنیا کے سارے امتیازات سے بڑھ کر تقوی ہے۔ پھر انصار نے جو مواخات کا حق ادا کیا اور جس ایثار کا ثبوت دیا وہ ہمارے لئے سبق ہے کہ ہمیں بھی موقع ملنے پر اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ایثار اور قربانیوں کا سلوک کرنا چاہیے۔ اور اپنے اندر اس بات کو پیدا کرنے کے لئے محنت بھی کرنی چاہیے۔ کسی انصاری نے کسی مہاجر بھائی کے لئے اپنے جانور آدھے آدھے کردیئے، کوئی گھر آدھے آدھے کررہا ہے، حتی کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے انصاری بھائی نے اتنا کہا کہ میری جو بیوی آپ کو پسند ہو وہ میں طلاق دے کر آپ کے لئے چھوڑ دوں۔ جس پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے منع کیا اور کہا کہ آپ صرف مجھے بازار کا راستہ دکھا دیں اور کاروبار شروع کیا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

میثاق مدینہ؛

مسلمانوں کے لئے ایک رہنما اصول ہے جب کہ مسلمانوں کا سامنا مختلف معاملات زندگی میں کفار سے ہوتا ہو۔ لیکن معاہدہ کی شقیں اس قسم کی ہونا ضروری ہے کہ مسلمان سربلند ہوں گے اور ان کی اتباع کی جائے گی اور کفار تابع ہونگے۔ اس معاہدہ کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فریقین یعنی کہ مسلمانوں اور یہود کے تسلیم شدہ حاکم تھے، اور اس وجہ سے جب بھی کوئی اختلاف پیش آتا تو نبی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

اور آپ کے فیصلہ پر عمل ہوتا۔

کسی کافر سے اتحاد یا کافر جماعت و ملک سے اتحاد کے لئے اگر اس یثاق کو دلیل بنانا ہے تو لازمی ہے کہ معاہدہ کی تمام دفعات اس **امر پر مبنی ہوں کہ اسلام غالب رہے گا اور اسلام کا حکم غالب رہے گا۔ اللہ کے نزدیک تو صرف اسلام ہی دین ہے۔** اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب اختیار کرے گا تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔

رہنما اصول اور قوانین جہاد:

غزوہِ بدر ایک طرف اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے ہوا، جس کے عظیم الشان نتیجے سے اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی۔ اور مسلمانوں کا رعب تمام عرب پر بیٹھ گیا۔ وہیں دوسری طرف یہ عذاب الٰہی تھا جو ان کافر سرداروں اور قریش کے گستاخوں کے لئے تھا۔ یہ عذاب کبھی صرف فرشتوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے، کبھی انسانوں کے ہاتھ سے (جہاد وغیرہ کی صورت میں) اور کبھی دونوں (فرشتوں اور انسانوں) کے ہاتھ سے۔ جیسے غزوہ بدر میں کفار مکہ کا قتل صحابہ کرام اور ملائکہ دونوں کے ہاتھوں ظہور میں آیا۔ جب قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ایذاء رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اس وقت اللہ کی طرف سے زبان یا ہاتھ سے بدلہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم نازل ہو (البقرۃ 109) اور ہجرت کے بعد جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔ **قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم ويخزهم وينصركم عليهم** (التوبۃ 14)

اسلامی تہذیب!؛!

اسی حوالے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح دشمن کو جانی نقصان پہنچانا کمال ہے اسی طرح دشمن کے سازوسامان، جنگی قوت پر قبضہ کرلینا بھی جہاد کا کمال ہے۔ اسلام اللہ کے باغیوں کی مالی قوت پر قبضہ کرنے کیلئے پیش قدمی کرے تو وہ بھی عین جہاد ہے۔ کیونکہ کل وہی سازو سامان دشمن نے اسلام سے جنگ اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ نیت اور غرض یہ ہو کہ مال مقصود نہیں ایسے باغیوں کو کمزور کرنا مقصود ہے جو یہ مال مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ معاملہ اللہ کی رضا کے لئے ہو کیونکہ یہ اللہ کے باغیوں سے معاملہ ہے۔ جہاد کا حکم و نفاذ، توسیع مملکت کا اقدام صرف اللہ

کے کلمہ کی بلندی کے لئے تھا، تاکہ اللہ رب العزت کے نام لیوا اطمینان سے اللہ کی عبادت کرسکیں۔ اور کفار چاہے ایمان نہ لائیں مگر اللہ کے احکام کے اجراء اور نفاذ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ (یہ خرابی جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتی ہے۔ اس لئے کہ جہاد چھوڑ دیا گیا تو کفار اب مسلمانوں پر شیر ہیں اور اسلام کے نفاذ کو کہیں عمل میں نہیں لانے دیتے ان کے طریقے جو بھی ہوں جیسے بھی ہوں، وجہ یہ (جہاد چھوڑنا) بھی ہے)۔

جن کی طبعیت سلیم تھی انہوں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو مانا اور جو ہٹ دھرم تھے انہوں نے صرف انکار نہ کیا بلکہ تکلیف دینے پر تل گئے۔

یہاں تک کے جہاد کی اجازت و فرضیت نازل ہوئی، جیسا کہ پہلے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو اجازت دی گئی تھی۔ تاکہ اللہ کا نام لینا دشوار نہ رہے۔ یہ جہاد کوئی خون ریزی نہیں محض اللہ کا نام بلند کرنے اور اللہ کے باغیوں سے صرف اسی وجہ (اللہ کا نام بلند کرنا) سے لڑائی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ ہر لڑائی جنگ کہلائے گی۔ اسی طرح جہاد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا نام نہیں محض اسلام کی عزت کی حفاظت کے لئے ہے۔ اور اسلام کی حکومت کے لئے۔ کیونکہ حکومت کے بغیر کوئی مذہب آزادی سے عمل میں نہیں لایا جاسکتا اسلام تو پھر بھی دین ہے۔

اسلام میں تو یہ بھی قبول نہیں کہ کوئی زبردستی سے اسلام لائے بلکہ رغبت کے ساتھ اپنی رضامندی کے ساتھ اسلام کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے۔ اس کی واضح مثال صحابہ کرام کے مکہ میں مشقت میں گزارے وہ تیرہ سال ہیں۔ کہ اسلام کی حلاوت ان کے دلوں میں ایسی اتر چکی تھی کہ پھر کوئی ظلم ان کو اسلام سے نہ ہٹا سکا۔ اتنی سی بات کافی ہے یہ جاننے کے لئے کہ اسلام بزور تلوار کے نہیں پھیلا کہ اتنی سی بات پر کوئی عمل کرلے کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا ایسا دین زبردستی سے پھیل سکتا ہے۔ پھر تو ہر کافر تقیہ (زبان سے اقرار دل سے انکار، وقت پر اقرار بعد میں انکار) کرکے قتل سے بچ سکتا ہے۔ اور پھر اسلام کے زیادہ خلاف ہوسکتا ہے۔

اگر یہ مان لیں کہ زبردستی اسلام قبول کیا کچھ لوگوں نے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ساری عمر مسلمان ہی رہے۔ اسی زبردستی کے پابند رہے۔ یہاں تک کہ ان کی نسلیں بھی اسی دین پر جمی رہیں۔

غلامی کے حوالے سے اہم نکتہ:::

جاننا چاہئے کہ ہر انسان آزاد پیدا ہوتا ہے یعنی کہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جب اسلام زائل ہوگیا تو

آزادی بھی زائل ہوگئی۔ مثال ایسی ہے

اگر کسی حکومت میں رہتے ہوئے اس کو نہ مانو حکومت، وزراء اور سلطنت کے قوانین کو نہ مانو، اس کے خلاف تقریریں بھی کرو پھر بھی گرفتاری عمل میں نہ لائی جائے۔ اسی طرح اس فطرت اسلامی سے جب انسان باغی ہوتا ہے پھر اسلام کی راہ میں رکاوٹیں بھی ڈالتا ہے پھر اسلام کے نام لیواؤں پر اپنی طاقت کے مطابق ظلم کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اسلام جو کہ نظام زندگی ہے، جو کہ دین ہے جسے کائنات کے بنانے والے نے پسند فرمایا اور نافذ کرنے کا حکم دیا، حتی کہ اس ظالم کافر کی آزادی بھی جو اس کو دی گئی تھی، اس کی پیدائش و افزائش بھی اسی شہنشاہ نے عطا کی، اس مالک کے خلاف جب انسان بغاوت کرے گا تو آزادی کہاں کی رہ جائے گی۔

تتفکروا...!

نکات از غزوات و سرایا:

اللہ کے نام کی بلندی کے لئے، باغیوں کی سرکوبی کے لئے غزوات ہوئے اور سرایا بھیجے گئے۔ اسی طرح اسلام کی سربلندی کے لئے باغیوں کی سرکوبی اور ان کے سامان کو ان سے اللہ کے لئے لینے، کے لئے ہوئے۔ انہی واقعات میں مشہور واقعہ غزوہ بدر کا ہے مسلمان تو اپنے اللہ کے حکم کی اطاعت اور نبی کی پیروکاری میں نکلے، وہیں کفار دوسرے کی زبردستی، دوستی میں نکلے۔ جیسا کہ ابو جہل کے زور لگانے پر امیہ بن خلف نکلا اور دونوں ہی تباہ ہوئے۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ صحبت، سنگت، محفل اثر رکھتی ہے۔

غزوِہ بدر کے موقع پر متفقہ تمام صحابہ نے فرمان نبی کے جواب میں کہا کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا اللہ قتال کریں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ اور انصار کی ترجمانی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ فرمائی جس میں سے یہ جملہ:

ہمارے مال میں سے جس قدر چاہے لے لیں، اور جس قدر ہمیں عطا فرمائیں یہ بھی اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ انہیں کی مرضی سے انہی کی اطاعت میں ہم اپنا مال خرچ کریں گے اور روکیں گے۔

دعا لازمی مانگنی چاہئے:

ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح کا وعدہ تھا، پھر کیوں آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے بے تابانہ دعائیں مانگتے رہے۔ یہ اللہ کے نبی نے ہمیں درس دیا کہ اسباب پورے ہوں یا نہ

ہوں کام کے پورے ہونے کا اگر چہ یقین بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مانگتے رہنا چاہئے۔ توکل صرف اللہ پر رکھنا چاہئے۔

غزوہ کے بعد:

آخر میں صحابہ کرام کو یہ برا گذرا کہ کفار قریش کو زندہ چھوڑا جائے اور گرفتار کیا جائے اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کے لئے گنجائش ختم ہوچکی تھی اور اللہ کی عظمت و توحید سے تبدیل ہوچکی تھی۔

یہ اندازہ اس بات سے لگانا مشکل نہیں، کہ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں اپنے ہی والد کو قتل کیا تھا جو کہ کفار کی طرف سے جنگ میں شریک تھے، اور بار بار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے سامنے آرہے تھے۔(زندگیاں صحابہ کی صفحہ نمبر (127

کچھ غزوہ احد کے تناظر میں:

ایک طرف یہ نظر آتا ہے کہ انتقام اور بدلے کی آگ کتنی تباہ کن ہے کہ قریش اپنا سب مال و متاع جوڑ جوڑ کر لشکر تیار کرتے ہیں، جو کچھ ابو سفیان کے قافلے کی صورت میں بچ گیا تھا وہ بھی لگا دیتے ہیں۔ وہیں مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے ہوکر نبی کے لشکر میں شامل ہونے کی کوشش میں ہیں۔ جنگ و جہاد کا شوق رکھتے ہیں، اللہ اور رسول کی اطاعت سے سرشار ہیں۔ اور انہیں چھوٹا ہونے کی وجہ سے جب واپس کیا جاتا ہے تو روتے بھی ہیں۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ قافلہ سیر و تفریح کے لئے نہیں جارہا؟ بلکہ اللہ کی راہ میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے جارہاہے۔ پھر بھی بچے بوڑھے سب ایک ہی نشے سے مخمور تھے، شہادت کا جذبہ، جہاد کا جذبہ، اللہ، اللہ کی اطاعت کا جذبہ۔

یہ معرکہ اگر چہ صحابہ کرام کی شہادت کے واقعات سے بھرپور ہے مگر اس میں بھی مصلحت خداوندی یہ تھی کہ صحابہ کو شہادت کے عظیم مرتبے سے روشناس کرایا گیا۔ ان کا جذبہ شہادت اور تمنائے شہادت پر ان کو وہی انعام دیا گیا۔ کافروں کے ہاتھوں اللہ کی راہ میں اپنے خون اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کا مرتبہ دیا گیا۔

کچھ آیات مبارکہ اس غزوہ کے حوالے سے:

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ فمنهم من قضی نحبہ ومنهم من ینتظر- (الاحزاب). ان یمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ وتلک الایام نداولها بین الناس- (آل عمران). حتی اذان فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراكم ما تحبون- منكم من یرید الدنیا ومنكم من یرید الآخرة- ثم صرفكم عنهم لیبتلیكم ولقد عفا عنكم- (آل عمران).

__نبی کا حکم نہ ماننے کا نتیجہ:__

جب کسی مسلمان نے نبی کا حکم وقتی سمجھا اور یہ دیکھا کہ اب تو فتح ہوچکی ہے اور پھر اس امیر کا بھی کہا نہ مانا جو انہیں روکتے رہے اور کافی بڑی تعداد نے وہ حصہ چھوڑ دیا جہاں ان کو ہمارے نبی نے تعینات فرمایا تھا۔ اس چھوٹے سے دستے کے بھی کچھ مسلمانوں کا نبی کا حکم نہ ماننا ایسی لڑائی کا سبب بنا جس میں مسلمان گھر گئے۔ کافر چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے کئی با سعادت صحابہ کرام شہادت سے سرفراز ہوئے، حکم نبی کے خلاف کرنا تھا کہ فتح یکایک شکست سے بدل گئی۔ آج ہم دیکھیں کہ ہم اجتماعی طور پر کتنے احکام نبوی کو بھلائے بیٹھے ہیں۔ کتنی ہی بدعات و رسومات میں خود کو پھنسائے بیٹھے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ٹخنوں سے پائنچہ اوپر کرنے کے حکم کا کونٹیکسٹ ہے، تکبر کرنا، اگر ہم سے اس حکم کے خلاف ہو جائے تو ہم تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے۔ یعنی یہ اللہ کے نبی کے حکم کو ایک جواب دیتے ہیں کہ ہم تکبر کی وجہ سے نہیں کررہے ہمیں نیچے لٹکا لینے دو۔ جبکہ منع صرف تکبر کی وجہ سے ہو یا ہر وجہ سے، جب نبی نے منع کردیا تو تابعداری، فرمانبرداری، غلامی، محبت کا حق ہے کہ اس کے خلاف سوچنا بھی ناممکن ہو، بی جائیکہ تاویلیں نکالنا اور بہانے بنانا۔

نبی سے محبت:

مسلمانوں کی ان قربانیوں کو یاد کرنے کا وقت ہے کہ ایک عورت کا شوہر بھائی اور باپ معرکہ میں شہید ہوچکے ہیں لیکن وہ ہر بار یہ سوال کرتی ہے کہ رسول اللہ کا کیا حال ہے، اور ان کے خیریت سے ہونے کا سن کر کہتی ہے کہ ہر مصیبت آپ کے سامنے بالکل بے حقیقت ہے۔ یعنی آپ کی رضا اور محبت مطلوب ہے۔

اسلامی اصول جہاد کے حوالے سے:

قریش کے کفار کی عورتوں کے اتنے برے سلوک اپنے مردوں کو جنگ کے لئے ابھارنا اپنے مردوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مثلہ کروانا وغیرہ کے باوجود جب نبی اکرم نے ایک مرتبہ کسی عورت کو مقتول دیکھا جو غلطی سے قتل ہوگئی تھی فرمایا یہ تو قتال کے قابل نہیں۔

شہید کی اصل تعریف:

پھر احد سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قوم کی رغبت میں لڑ کر مرنے والا شہید نہیں بلکہ صرف قوم کا شہید ہے، قزمان نامی شخص کا واقعہ ہے کہ اس نے خود کہا کہ میں نے اللہ اور رسول کے لئے قتال نہیں کیا بلکہ صرف اپنی قوم کو بچانے کی غرض سے کیا اس کے بعد زیادہ تکلیف ہوئی تو خود کشی کرلی، اس بنا پر رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔

شہید کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لئے، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جنگ میں تھا اور وہ جنگ بھی اسی نوعیت کی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ایک صاحب کو ٹوکا جب وہ کسی ایسی ہی جنگ میں شہید ہونے والے کو شہید کہہ رہے تھے، (جو کہ حضرت عمر فاروق کے دور میں ہوئی تھی۔) فرمایا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ شہید ہے یا نہیں۔

آزمائش پر صبر کرنا ہمارا کام:

اس غزوہ سے ایک اور سنت الٰہیہ کا علم ہوا کہ دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں کبھی دوستوں کو سرفراز فرماتے ہیں کبھی دشمن کو غلبہ دیتے ہیں یعنی دوستوں کو مزید اونچا مقام عطا کرتے ہیں (آزمائش ، شہادت). ع اگر تم ڈٹ گئے مدمقابل پھر بھی بالآخر، معزز ہم بنیں گے جنگ کے شعلوں کو بھڑکا کر۔

یہی مقام ہوتا ہے جب دوستوں کی سرفروشی اور جانثاری کا امتحان ہوتا ہے مگر نتیجہ میں اصل غلبہ دوستوں کا رہتا ہے۔ والعاقبۃ للمتقین۔

کدا کو اپنے حملوں سے غبار آلود کردیں گے، نہ ایسا کرسکے تو خون سے صحرا کو بھر دیں گے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ منافق واضح ہو جائیں کیوں کہ اگر اہل اسلام کو ہمیشہ ظاہری فتح ہوتی رہے تو کتنے ہی دینار کے بندے (دولت کے طالب) ان میں آ ملیں، محض مال غنیمت کی خاطر۔ یہاں امتیاز ہوتا ہے کہ

کون اللہ کا بندہ ہے اللہ کے لئے کون لڑتا ہے اور کون دینار کے لئے لڑتا ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر دوستوں کو ہمیشہ ہی فتح ہوتی رہے تو ان پاک نفوس میں طغیان اور تکبر وغیرہ کا میل بھی شامل نہ ہو جائے بھی سختی، بھی نرمی، بھی راحت، بھی تکلیف مناسب ہوئی۔ یہ بھی واضح رہے کہ کوئی شیطان تو غزوہ احد میں بھی موجود تھا جس نے نبی کے شہید ہونے کی افواہ اڑا کر مسلمانوں کے حوصلے توڑنے کی کوشش کی تھی، اسی طرح شروع میں عبداللہ بن ابی بھی اپنی تعداد لے کر الگ ہوگیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسی چیزوں کا سامنا بھی ہوسکتا ہے۔

اس سے اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ مسلمانوں کی اچھی جماعت میں یوں باغی اور شیطان و سرکش قسم کے لوگ بھی ہوسکتے ہیں جس کی وجہ سے پوری جماعت کو برا بھلا کہنا ان سے الگ ہونا انہیں غلط کہنا اور سمجھنا، تو نہایت غلط بات ہوگی۔ بالخصوص علماء کے حوالے سے بد ظن ہونے سے بچتے رہنا بہت ضروری ہے۔

صحابہ کہ پھر جانثاری:

غزوہ حمراء الاسد کے وقت میں جو عین غزوہ احد کے بعد پیش آنے والا تھا اور قریشی مدینہ پر پھر حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن اس وقت جبکہ صحابہ نے ایک شب بھی آرام نہ کیا تھا خستہ حال اور نیم جان تھے ابھی سفر سے لوٹے تھے زخمیوں کی بھی تعداد تھی، مگر پھر بھی وہ اللہ کی رضا نبی کی اطاعت، میں پھر نکل کھڑے ہوئے۔ **الذین استجابوا للہ والرسول (آل عمران)**

غزوہ احد میں نبی کی نبوت کاوہ عالی مقام بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ ایسے وقت میں جب مسلمان سخت پریشانی اور گھبراہٹ کا شکار تھے اس قدر عالم پریشانی کا تھا کہ بعض تو غلطی سے ایک دوسرے سے بھی جنگ کرنے لگے تھے، جیساکہ مشہور صحابی رسول، رازدان رسول حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے بوڑھے والد یمان رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کی تلواروں سے زخمی ہوکر گرے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ میرے والد۔۔۔۔۔ میرے والد۔۔۔۔۔۔ پکارتے ہیں رہ گئے۔ زندگیاں صحابہ کی صفحہ نمبر 370

نبی کریم اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی نہ ہٹے تھے۔ اسی استقلال نبوی کی برکت سے صحابہ رفتہ رفتہ پھر جمع ہونے لگے۔ اور نبی کو پہچاننے لگے۔

سپہ سالار اور قائد ہمارے ہیں رسول اللہ

مقابل ان کے آؤ گے ملے گی ذلت کبریٰ۔

غزوہ خندق :

5 ہجری کے ایک بڑے واقعے کے لیے کچھ الفاظ: واقعہ افک جو کہ غزوہ مریسیع کے سفر کے دوران واپسی میں پیش آیا ۔ جو کہ بلا شبہ ہماری پیاری ام المومنین اور تمام مومنین کے لیے سب سے بڑا غمناک واقعہ ہے ۔ خیر ، اتاری رب نے دس آیات ان کی پاکبازی پر۔النور)

اس غزوہ خندق غزوہ احزاب کے واقعے میں ہم غور کرتے ہیں تو سب سے پہلے پاتے ہیں مشورے کی اہمیت ۔ تمام اکابر صحابہ کرام سے مشورہ کیا جانا جہاں ان کے رتبہ کو بلند کرتا ہے وہیں امتِ مسلمہ کو مشاورت کرنے کا درس بھی دیتا ہے۔ اس میں عمر کی قید نہیں، سب عمر کے صحابہ وہاں شریک تھے، نابالغ بچوں سے ویسے بھی مشورہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ مگر بالغ نوجوان، یا جوان، عقل مند ہوں، بصیرت و بصارت رکھتا ہو تو اس کا مشورہ ناصحانہ قبول کرلینے میں قدم چھوٹا نہ کرنا چاہیئے۔

ایک بار پھر بات آتی ہے صحابہ کی تابعداری ، جانثاری ، فرمانبرداری کی کہ سردیوں کا موسم ، ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں ، اس کے ساتھ ہی کافی دن کا فاقہ بھی ہے ۔ مگر حضرات خندق کھودنے میں مشغول ہیں۔ اور سپہ سالار اور قائد ہمارے رسول اللہ بھی ان کے ساتھ ہیں ۔ اسی طرح یہاں ایک اور نکتہ واضح ہوا کہ خندق کھود کر جنگ کرنا اصلا فارس والوں کا طریقہ تھا ،جو کہ کافر تھے ۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے کو چنے جانے کی سعادت نصیب ہوئی تھی ۔ واضح یہ ہوا کہ جنگ کے دوران کفار کے طریقے کو اپنانا بھی درست ہے ۔ اسی طرح کفار کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کو استعمال کرنا بھی درست ہے ۔ جیسے غزوہ طائف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق استعمال کرنے کا حکم دیا تھا۔

اسی غزوہ خندق میں بھی مسلمانوں کے لئے عجیب آزمائش کا وقت تھا، جس کا حال سورۃ الاحزاب میں اس طرح ہے: یاد کرو اس وقت کو کہ جب دشمن تمہارے سر پر آپہنچا، اوپر نیچے ہر طرف سے، نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جانے والی صورتحال ہوئی، کلیجے منہ کو آنے لگے، اہل ایمان ہلائے گئے، آزمائے گئے، اور خوب ہلائے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھجوریں دے کر کچھ قبیلوں سے صلح کا ارادہ و مشورہ فرمانے پر بھی

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب پڑھئے:

اے اللہ کے رسول جب ہم اور یہ سب کافر تھے، اس وقت ان کی ہمت نہ تھی کہ ہم سے ایک خرما لے سکیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اب ہم اسلام لانے کے بعد ان کو مال دے کر صلح کرلیں۔ اللہ کی قسم ہم ان کو تلوار کے سوا کچھ نہ دیں گے۔ سیرۃ ابن ہشام 283/3۔

پھر اس جنگ کے دوران جو حملے کا ایک سخت دن گذرا، تمام دن تیر اندازی اور سنگ باری میں گزرا۔ حتی کہ اتنا سخت دن تھا کہ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔ کیسا ہی سخت دن تھا کہ ایسا ہوا۔ اور آج بلاعذر نمازیں چھوڑی جارہی ہیں۔

جامعیت دین:

اسی طرح ایک حربہ یہ بھی سیکھنے کو ملا کہ جنگ میں حیلہ اور تدبیر ہی اصل چیز ہے۔ جیسا کہ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی کی اجازت سے ایسی تدبیر کی کہ کفار کا اتحاد ٹوٹ گیا۔

صحابہ کی تابعداری:

اس کے فوراً بعد ہی غزوہ بنی قریظہ کا حکم ہوا بالکل غزوہ حمراء الاسد کی طرح صحابہ نے جانثاری کا ثبوت دیا اور ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ کے لئے اللہ کی رضا کی خاطر سفر فرمایا۔ اللہ کے نبی کی اطاعت کو اپنایا۔

صحابی رسول کی شان:

اس غزوہ کے فوراً بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غزوہ احزاب میں لگے ایک تیر کی وجہ سے لگے زخم سے شہادت ہوئی۔ کہ ایسے صحابی کی شہادت ہوئی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا۔ البخاری 59/2۔

اور ایک روایت یہ کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے، اور آسمانوں کے فرشتوں نے ان کی روح کے چڑھنے سے فرحت محسوس کی۔

ایسے اعمال کریں، خود کو نبی کی اطاعت میں، اللہ کی رضا کے حصول میں فنا کردیں۔ کہ فنا ہوکر ہی اللہ کی

طرف سے رضا اور انعامات کی امید ہے۔ کیا اونچی شان ہے ہر صحابی نبی کی۔ جس کے بھی مناقب بیان ہوں، یوں ہی سرفروشی، جانثاری، حب نبوی ملے گی۔ اللہ تعالی ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

کچھ واقعات غمناک:

سیرت میں کچھ واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں صحابہ کو بے بس کر دینے کی پوری کوشش کی گئی۔ جیسے واقعہ رجیع کہ اس میں عضل اور قارہ کے لوگ آپ سے تعلیم و تعلم کے نام پر صحابہ کرام کو لے گئے تھے، اور ان کے ساتھ سفر کے دوران غداری کر کے ایک اور قبیلہ کے لوگوں کو ملا کر انہیں شہید کردیا تھا۔ اور تین صحابہ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر گرفتار کر کے صرف دو کو ہی لے جاسکے۔ اور قریش کے حوالے کردیا۔

ان حضرات صحابہ کرام کی شان بھی دیکھنے کے قابل ہے، مگر ان جیسی قربانی دینے پر عمل کرنا اور کوشش کرنا اس سب کے لئے بار بار ان کی قربانیوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے کہ جس سے اس کے لئے خود کو تیار رکھنے میں آسانی ہوگی۔

شان ایسی کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کی حفاظت اللہ نے شہد کی مکھیاں بھیج کر فرمائی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ قریش کی قید میں بے موسم پھل تناول فرماتے۔ جب کہ اس وقت مکہ میں پھل کا نام و نشان نہیں تھا۔

مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کی مانتے ہوئے چلیں اور خود کی انا، نفس کو اللہ کے لئے جب فنا کردیں گے تو ہم اللہ کی مدد کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ ویسے بھی ہماری آنکھوں پر ظاہری اسباب نے اس قدر پردہ کر رکھا ہے کہ ہمیں کسی خلاف الفطرت واقعے کی تلاش ہوتی ہے۔

جس ماہ صفر میں پہلا غمناک واقعہ پیش آیا تھا اسی میں دوسرا واقعہ پیش آیا۔ ابو براء ضمانت دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر قرآن کے قاری صحابہ کرام کو لے کر گیا، کہ نجد کو دعوت دی جائے تو شاید وہ قبول کر لیں۔ یہ ستر صحابہ کرام کی جماعت نہایت پاکباز مقدس جماعت تھی۔ دن کو لکڑیاں چنتے تھے شام کو فروخت کرکے اصحاب صفہ کے لئے کھانا لاتے۔ باقی وقت عبادت میں درس قرآن میں صرف کرتے۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط بھی دیا تھا جو کسی سردار کے نام تھا۔ جب صحابی رسول حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ خط دینے کے لئے سردار کی طرف بڑھے اس نے خط دیکھنے سے پہلے ہی کسی کو اشارہ کیا جس نے انہیں شہید کردیا۔

اس وقت بھی صحابہ کرام پر بے پناہ ظلم کیا گیا، مگر حضرت حرام بن ملحان اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما کی زبان سے شہادت کے وقت نکلتا ہے: **فزت، فزت ورب الکعبہ**۔ (میں کامیاب ہوگیا).

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے جنازے کو آسمان اور زمین کے درمیان اٹھا لیا گیا۔ کچھ دیر وہاں معلق رہا پھر زمین پر رکھ دیا گیا۔ لیکن ان صحابہ کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا تو وہ یہ تھا: کہ ہم اپنے رب سے جاملے اور ہم اس سے راضی ہیں اور وہ ہم سے راضی ہے۔

یہ صحابہ کی شان تھی، ان کی رضامندی کا اعلی درجہ ہے۔ اللہ کے ہاں قبولیت ہے۔ مرتے وقت بھی اللہ کو یاد کررہے ہیں اور اپنی رضامندی کا اقرار کر رہے ہیں کہ جیسی بھی حالت میں اللہ رکھے ہم راضی ہیں۔ پیٹ بھر کھایا نہ کھایا، دو وقت کھایا یا تین وقت، عید پر نیا جوڑا لیا یا نہیں، ہم اسی میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اسی جیسی وجوہات سے ناشکری کا عمل دخل ہم میں زیادہ ہے۔

صلح حدیبیہ:

صحابہ کرام کا نبی کریم سے والہانہ محبت کا اظہار تو چھلکتا ہے ہی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اپنے شاگردوں کا خیال رکھنا اور ان سے محبت کرنا چھلکتا ہے۔ جب یہ افواہ مشہور ہوئی، کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے جو کہ مکہ گئے تھے۔ تو تمام صحابہ کرام نے نبی کے ہاتھ پر بیعت کی کہ جب تک جان ہے کافروں سے قتال کریں گے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے اپنے دائیں ہاتھ پر بیعت فرمائی کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔ حضرت عثمان اس واقعہ کو ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے؛ کہ میری جانب سے رسول اللہ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ وہ افواہ جھوٹی تھی۔ پھر عروہ بن مسعود جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قریش کی طرف سے آنا اور بات کرتے ہوئے نبی کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگانا، پھر ان کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ان کو سختی سے منع فرمانا۔کہ ناپاک

ہاتھوں سے نبی کو مت چھو۔ (مشرک ہے، اس وجہ سے ہاتھ اس قابل نہیں، جیسا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنھا کا اپنے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سلوک مشہور ہے، جب کہ وہ اسلام نہ لائے تھے)۔

ان سب واقعات میں صحابہ کی عقیدت و محبت کا ایسا منظر تھا کہ جب آپ کوئی حکم دیتے تو ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی کہ سب سے پہلے میں اس حکم کو پورا کروں۔ جب کبھی آپ کے دہن مبارک سے تھوک یا بلغم نکلتا تو ہاتھوں ہاتھ اس کو لیتے اور اپنے چہروں پر مل لیتے۔ زمین پر نہ گرنے دیتے۔ حتی کہ غسالہ وضو کے پانی پر بھی یہی حال ہوتا تھا۔ جب آپ کلام فرماتے تو سناٹا ہوجاتا اور کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ نظر اٹھا کر دیکھے۔ جب آپ مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لاتے تو ادب کی وجہ سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھتا، (آج کل کا غلط اور بے ادبی بھرا رواج ہے کہ امام آئے کہ نہیں آئے ہر کوئی مڑ مڑ کر دیکھتا ہے۔ خیر وہ تو نماز میں، اللہ کے گھر میں بھی دل نہ لگنے کی ایک نشانی ہے جو یوں ظاہر ہوتی ہے۔) یہ تو ہم ہیں کہ جیب میں حدیث لے کر گھومتے ہیں، (محاورۃ) جو بھی ملا اس کو یوں بتا دیا کہ حدیث یوں ہے، یہ حدیث کا مفہوم ہے، اور ہماری آواز بلند ہو جاتی ہے کہ دوسری کو نیچا دکھاسکیں۔ کوئی وقعت و حیثیت ہمارے عمل سے حدیث مبارکہ کے بارے میں نظر نہیں آتی۔ حدیث میں جس جس کام کا حکم ہوگا وہ ہم نہیں کریں گے اور جس جس کام سے روکا گیا ہوگا وہ ہم لازمی کریں گے۔ کئی مثالیں ہیں:

جیسے: ریشم مردوں پر حرام ہے، بے پردگی عورتوں کے لئے حرام ہے، داڑھی بڑھانے کا حکم ہے، (مگر ہم کونٹیکسٹ ڈھونڈھتے ہیں، کہ وہ تب تھا کہ کافروں کی مخالفت کرو اب یہ حکم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ،) کافروں کی تشبیہ سے روکا گیا مگر وہی کچھ ہم کررہے ہیں۔ بچے بال پورے برابر نہیں کاٹتے کہ دوسرے ہمیں کہتے ہیں کہ کٹے (بچھڑے) کی طرح سارے بال برابر کئے ہوئے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک نبی کے فرمان اور طریقے کی گستاخی بذات خود مسلمان کررہا ہے۔

خیر صلح حدیبیہ میں تقریباً چھ شرائط پر معاہدہ ہوا جن میں سے کچھ شقیں ظاہری طور پر مسلمانوں کے خلاف تھیں، صحابہ کرام پر یہ بہت مشکل تھا لیکن وہ بھی اطاعت کی اعلی مثال تھے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ (اگر چہ معاہدوں کی شقوں کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف تھی، عبد) ایسی فتح تھی کہ آپس کی لڑائی ختم ہوئی، امن قائم ہوا بات چیت کا موقع ملا، مناظرہ کی نوبت آئی، قرآن کریم کو سنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ کے دوران (کم و بیش دو سال کے عرصے میں) اتنے لوگ اسلام لائے کہ ابتدائے بعثت سے لے کر صلح حدیبیہ کے وقت تک (کم و بیش 18 سال) اتنے مسلمان نہ

ہوئے تھے۔ فتح الباری 256/5. اور اسلام کو پھیلانا ہی تو نبی کی بعثت کا مقصد تھا۔

جامعیت دین:

بادشاہ اسلام اور ذی رائے مسلمان اگر کافروں سے صلح کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع اور مصلحت سمجھیں یعنی اللہ کی رضامندی اور اطاعت مقصد ہو، اپنا نفع نظر میں بالکل نہ ہو، تو صلح کر لینا جائز ہے۔ جہاد پر قدرت رکھتے ہوئے دب کر صلح کرنا ناجائز ہے۔ اس آخری بات کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے

فلا تهنوا وتدعوا الى السلم وانتم الاعلون، مت سستی کرو اور (کہ) صلح کی طرف بلاؤ تم ہی غالب رہو گے۔

ضرورت کے وقت کافروں سے بلا معاوضہ، یا مع المعاوضہ، یا مال لے کر، تینوں طرح صلح جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ، کے بعد یہود مدینہ سے بلا معاوضہ معاہدہ فرمایا۔ صلح حدیبیہ قریش سے فرمائی، نجران کے نصاریٰ سے مال لے کر صلح فرمائی، غزوہ احزاب میں کھجوریں دے کر صلح کا ارادہ فرمایا تھا، جو کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے روکنے کی عرض کی، جیسا کہ آپ پڑھ چکے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح حدیبیہ کے بعد صحابہ کو قربانی اور حلق (بال مونڈھنا) کا حکم دیا اور صحابہ نے ذرا توقف کیا وجہ وہی صلح کی سخت شرائط تھیں، نافرمانی کے ارادے سے نہ تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنھا کے مشورے پر عمل فرمایا اور قربانی کی، تو سب نے آپ کی پیروی کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں سے مشورہ کرنا جائز ہے۔ مگر اس کا خاص خیال ہو کہ ان کی فہم و فراست اور تقویٰ قابل اطمینان ہو۔ یہ جھوٹی مردانگی، غیرت اور دوغلا پن بے کار ہے کہ میں کچن میں سے نہیں سیکھتا۔ (یعنی عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتا ان کا کام کچن تک کا ہے وہ وہی کریں.)

بیعت کی حقیقت، فضیلت، اور اہمیت:

"بیعت" بیع سے بنا ہے، جس کے معنی بیچنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اپنے نفس (اپنی جان،

خواہشات) کو جنت کے معاوضہ میں اللہ کے ہاتھ فروخت کرنے کا نام بیعت ہے۔ اس طرح مؤمن بیعت کرنے کے بعد اپنے نفس کا مالک نہیں رہتا اللہ کی مرضی کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

مگر یہ معاملہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست نہیں ہوتا۔ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے وارثین کے توسط سے ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے جب نبی کریم کے دست مبارک پر بیعت کر لی تو اصل بیعت اللہ عزوجل سے تھی اور رسول اللہ وکیل تھے۔ {ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله} تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ سورۃ الفتح 10۔

صحیح بخاری 959/958 حدیث کا مفہوم ہے: کون ہے جو اپنے جبڑوں اور پیروں کے درمیان کا ذمہ دار ہے، یعنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کا ذمہ لے تو میں اس کے لئے جنت کا کفیل اور ضامن ہوں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایسی غلط بات کا امکان بالکل بھی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی صحابہ کرام نے رضیت کہہ کر بیع کے فسخ ہونے (ٹوٹنے) کے امکان کو ختم کردیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان کی بیعت تو اللہ کے ساتھ مکمل ہوچکی، ان کے نفوس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے۔ ان کے سوا سب کا معاملہ خطرے میں ہے۔ معلوم نہیں کس بیعت کرنے والے کی بیعت کو عیب کی بنا پر رد کردیا جائے۔ بہرحال ان ابحاث کے بعد بیعت کا مسنون اور مستحسن ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں۔

صحابہ کرام کا اللہ تعالیٰ پر کمال بھروسہ اور ایمان:

غزوہ مؤتہ یا جیش الامراء میں صحابہ کرام کا اپنی کم تعداد ہونے کی وجہ سے نہ گھبرانا بہت بڑا سبق دیتا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی جبکہ مقابل میں دولاکھ تک کا لشکر تھا۔ اس غزوہ میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے امیر بنتے گئے، جھنڈا اٹھاتے گئے اور شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہوتے گئے۔ لیکن مسلمانوں کے لشکر کو جوڑے رکھا جب تک جان میں جان تھی اس جھنڈے کی حفاظت کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر

مسلمانوں کو فتح اور غلبہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا جھنڈے کی خاطر اپنے بازو کٹوانا اور پھر شہید ہونا اس بات کا درس دیتا ہے کہ جماعت کا امیر بن جانے سے بھی امیر پریشانی، مشکل سے بچ نہیں سکتا، بلکہ امیر ہوتا ہی اس لائق ہے جو اس امارت کا حق ادا کرسکے۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ کا واقعہ بھی یوں ہے، کہ ان پر کئی دن کے فاقے گذر چکے تھے اور امارت کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا ان کے چچازاد بھائی نے گوشت کی ایک ہڈی دی کہ اس سے کچھ قوت حاصل کرسکیں، مگر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک بار چوسا اور فوراً پھینک دیا۔ اور کہا کہ اے نفس لوگ جہاد کررہے ہیں اور تو دنیا میں مشغول ہے، اس ہڈی چوسنے یا کھانے جتنے وقت کو بھی انہوں نے دنیا میں مشغولیت قرار دیا باوجود یکہ وہ فاقے سے تھے۔ اور شہید ہوگئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مکان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے بچوں کو بلایا اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ گھر والوں کو اطلاع کرنے کے بعد اس غم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن مسجد میں گذارے۔ شرح مواہب 277/2

کھانے کا انتظام کرنے کا حکم جو دوسروں کو دیا، وہ بھی حضرت جعفر کے اہل و عیال یعنی بیوی بچوں کے لئے تھا نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے یا ان کے خاندان کے لئے۔ اگر چہ وہ حضرت جعفر کے سگے بھائی تھے۔ آج کل ایک عام رسم چل نکلی ہے، کہ ایک شخص فوت ہوتا ہے اور وہ پوتوں نواسوں والا ہوتا ہے، مگر پھر بھی دوسروں کا لایا کھانا اس کے بھائی اور ان کی اولادیں، ان کے بھی نواسے، پوتے، بھی پورا حق سمجھ کر کھاتے ہیں۔ جبکہ ان کے لئے ایسا سوگ نہیں کہ وہ بھی اپنے گھر کے چولھے نہ جلائیں۔ بلکہ انکو تو چاہئے بطریق اولٰی اپنے اس بھائی کی اولاد وغیرہ کی جس قدر ہوسکے اس وقت میں امداد کریں۔ سوگوار اگرچہ میت کے حوالے سے سب کو ہونا چاہئے، لواحقین (اس میت کے پیچھے رہ جانے والے) اگر چہ سب ہی ہوتے ہیں، مگر کھانے کے حوالے سے یہ حکم صرف اہل و عیال کے لئے تھا جس کو عوام نے کھینچ تان کر کیا سے کیا بنا دیا۔

پھر دوسری بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہے کہ حضرت جعفر طیار کا غم ان کا سوگ مسجد میں تین دن گذارتے ہوئے منایا۔ ہم یہ دیکھیں میتوں پر ہماری نماز ہی رہ جاتی ہے فرض کفایہ کے چکر

میں فرض عین کو چھوڑے پھرتے ہیں۔ اور یہ سب حاضری کے چکر میں، نمبر لگانے کے چکر میں، بعض اوقات بدلے کے چکر میں، بعض اوقات دکھاوے کے چکر میں۔ الا ماشاءاللہ، جو لوگ نماز کو قائم کرنے والے ہوں ہر حال میں۔

دوسری اہم بات کہ سوگ صرف تین دن تھا، تو چالیسواں، برسیاں، سال، جمعرات، وغیرہ یہ سب بھی خود بخود باطل ہوجاتا ہے۔

ہمارے لئے ہمارے نبی کا عمل ہی مشعل راہ ہے، اور یہ ہم نے بول کر نہیں کر کے دکھانا ہے۔ ان شاءاللہ۔

فتح مکہ، فتح الاعظم

اسلامی تہذیب اور رہنما اصول ایسی عالیشان فتح کے بعد بھی، جو اسباق دیتے ہیں وہ بار بار پڑھے جانے کے قابل ہیں۔

ان سب باتوں سے پہلے یہ اسلام کی شان ہے کہ اسلام کی کدال دلوں کو کھود کر ایسا صاف کردیتی ہے کہ کوئی ریزہ اسلام کے خلاف نفرت کا باقی نہیں رہتا۔ اخلاص و ایمان بڑھ جاتا ہے کہ باہر سے کفر کا کوئی غبار دلوں میں نہیں پہنچتا۔ یہ اس لئے تھا کہ اعتراض کا ازالہ ہوسکے کہ فلاں صحابی تو بہت بعد میں مسلمان ہوئے۔

اس فتح مکہ کے سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی مشقت کے خیال سے روزہ افطار فرمایا، صحابہ نے بھی آپ کی اقتداء میں روزہ افطار کیا (اس سے مراد روزہ بیچ میں ہی افطار کر لینا پورا نہ رکھنا) یہ رمضان کا روزہ تھا۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے "کہ مریض اور مسافر کے لئے افطار اگر چہ جائز ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے." کہا جائے گا کہ واقعہ سے ثابت افطار ہورہا ہے اور امام صاحب روزہ رکھنے کو افضل فرما رہے ہیں، جواب یہ ہے کہ واضح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **صحابہ کی مشقت کے خیال سے افطار فرمایا،** یعنی ورنہ روزہ ضرور رکھتے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پے درپے (ہر روز) روزہ رکھنے سے منع فرمایا جبکہ وہ تو نبی کی اتباع اور شوق اطاعت میں ایسا کررہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان کو شفقت کے طور پر وصال کے روزوں سے منع فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہاری طرح نہیں ہوں کیونکہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔" [صحیح مسلم/کتاب الصیام/حدیث: 2572

اتنی بڑی فتح پر ایک سبق ہمیں یہ ملتا ہے تواضع، عاجزی، اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنا چاہیئے۔ نہ کہ غرور کرنا

اور بڑے بول بولنا۔ فتح کیسی ہوئی، کہرام مچا ہوا، کوئی شخص مسجد حرام میں داخل ہو رہا ہے کہ وہاں امن ہے، کوئی حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو رہا ہے کہ وہاں بھی امن کا اعزاز ہے، اس کے علاوہ اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے اندر بیٹھنے والے کو امن تھا۔

اللہ کی شان جن گلیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیفیں سہی تھیں، لوگوں کے تمسخر کو برداشت کیا تھا، اب (کچھ یا اکثر) وہی لوگ، انہی گلیوں میں اپنے مکانوں کے اندر سے اسی نبی کی شان دیکھ رہے تھے۔ مرعوب در مرعوب ہورہے تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کے بعد لشکر مکہ میں داخل ہورہے تھے۔

اس سب حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک یاد رکھنے کے قابل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے، اونٹنی پر سوار تھے، خوشی، راحت، کے آثار کے ساتھ ساتھ اللہ کے حضور خشوع وخضوع بھی نمایاں تھا۔ تواضع سے گردن مبارک اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ داڑھی مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کررہی تھی۔

آخر لوگوں میں یہ اعلان فرمایا کہ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ آج تم پر کوئی عتاب اور ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ظہر کی نماز کے وقت حضرت بلال کا اذان دینا اور ابو محذورہ کا بطور تمسخر اذان کی نقل اتارنا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو دعا دینا اور ان کا اسی وقت اسلام قبول کرنا اور مکہ کا مؤذن بننے کا شرف حاصل کرنا محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے نشانی ہے۔ کہ اگر کوئی حد سے بڑھ جائے، گستاخی یا نافرمانی کرنے لگے، اللہ سے فوراً اس کے لئے دعا کریں۔ محض سخت سزا دینا فوراً ہی کسی بات کا حل نہیں ہوتا۔

اس میں سبق بھی ہے کہ صرف زبان سے رٹنا، زبان سے کہہ دینا، بار بار دہرادینا جبکہ یہ تو تمسخر کے طور پر نہیں ہوتا تو ضرور قبولیت کا سبب بن سکتا ہے۔ جیسا کہ ان کا بطور تمسخر بھی تھا پھر بھی ہدایت کا سبب بن گیا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فتح مکہ پر جو حدیث بڑھیا والی پھیلائی جاتی ہے کہ اس کا سامان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ جاکر مکہ سے باہر چھوڑا پھر وہ مسلمان ہوگئی وغیرہ سب خود سے گھڑی گئی ہے۔

خاص بات، خاص سبق:

اس عظیم دن میں، اس عفو عام کے دن میں بھی چند اشخاص جو بارگاہ نبوی میں انتہا درجہ کے گستاخ تھے ان کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جہاں ملیں وہیں قتل کردیئے جائیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ کا یہی حکم ہے۔ **ملعونين اينما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتيلا-** الاحزاب 61.

اللہ کے پیغمبر کی بے حرمتی دین الٰہی کی بے حرمتی ہے۔ یہ بات تو سامنے کی ہے کہ عام حکومتیں اپنے سخت سخت مجرموں کو تو کبھی کبھی معاف بھی کرہی دیتی ہیں مگر بادشاہ یا وزیراعظم وغیرہ کی گستاخی کرنے والے سے ایک لحہ بھی آنکھیں نہیں پھیرتے، یعنی اس کو بالکل معاف نہیں کرتے۔ یہ دلیل صرف واضح کرنے کیلئے ہے وگرنہ اس بات یعنی شاتم رسول (نبی کو برا کہنے والا، نبی کا گستاخ۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اللہ ہمیں محفوظ فرمالیں آمین) کی سزا سر تن سے جدا کیلئے مسلمان کو دلائل کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔

حتی کہ ابن خطل کو خانہ کعبہ کے پردوں میں لپٹا پایا گیا، محرم کے مہینے میں، حرم میں بھی، شاتم رسول کے بارے میں آقا نے فرمایا کہ وہیں قتل کرڈالو۔۔۔

حضرت عبداللہ بن ابی سرح (رضی اللہ عنہ) ان میں سے ایک تھے مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بارہا سفارش کے بعد بالآخر آپ کو معافی مل گئی۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کی وفات صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے بائیں جانب سلام پھیرنے سے قبل ہوئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اسی موقع پر ایک عظیم محبت کا درس سیکھنے کو ملتا ہے، حضرت عبداللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ عثمان رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی، **تو انہوں نے جوابا رہتی دنیا تک سنہرے الفاظ سے محبت نبی کو رقم کیا کہ: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم اگر ابو طالب اسلام لے آتے تو میری آنکھیں زیادہ ٹھنڈی ہوتیں۔**

غزوہ حنین و اوطاس و طائف۔

یہ ایک ہی غزوہ کے مختلف نام ہیں، غزوہ اوطاس، یا غزوہ طائف۔ چھ شوال آٹھ ہجری (الرحیق المختوم ص 563) غور کرنے کی بات ہے کہ یہ عیدالفطر کا چھٹا دن ہے جب جنگ کے لئے تیاری کی گئی۔

تقریبا دس شوال کو جنگ ہوئی، اس بار جو کثرت تھی اس کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کی زبان پر آگیا کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہونگے۔ اس بات میں ابہام تھا کہ کہ کامیابی اور فتح زیادہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ہوسکتاہے کہ یہ وہ نئے مسلمان ہوئے ہوں جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور اسلام ابھی تک ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا۔ جو بھی ہے یہ اللہ کی مشیت سیکھنے کا واقعہ ہے کہ کبھی بھی اسباب پر بھروسہ کرتے ہوئے اسباب کی وجہ سے کامیابی کا نعرہ نہ لگانا چاہئے۔

جیسے آج کل کیاجاتا ہے: پیسہ ہے تو سب کچھ ہے، پیسہ نہیں تو کیسے ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

فضائل علماء:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **العالم فی قومہ کالنبی فی امتہ۔**

عالم اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔

ایمان کے شعبے:

حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کے ستتر شعبے ہیں اعلی درجے کا شعبہ شھادۃ ان لا الہ الا اللہ ہے

اور ادنی درجہ کا شعبہ راستے سے کانٹے وغیرہ کا ہٹانا ہے۔ باقی شعبے درمیان میں ہیں ہر شعبے پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے۔

فسق اور معصیت:

معصیت اور ظلم کا اطلاق کفر سے لے کر گناہ صغیرہ تک پر آیا ہے۔ کفر اور معصیت کے مراتب/درجے بھی

مختلف ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش پر بھی معصیت کا اطلاق آیا وعصی آدم ربہ فغوی (طہ 121)

اور کفر پر بھی اسی لفظ کا اطلاق ہوا۔

ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیھا ابدا۔ (الجن 23)

ظاہر ہے دونوں معصیتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ معنی مختلف ہیں۔ اسی طرح آیت حجرات میں جو "فاسق" کا لفظ آیا ہے اس کو لغوی معنی پر محمول کرنا چاہئے۔ لغوی معنی ہے، نادان، اطاعت و فرمانبرداری سے نکل جانا۔ جیسے کہ حدیث مبارکہ میں بھی ہے: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

یہاں فسوق کا ترجمہ گناہ سے کیا جائے گا تب بھی ٹھیک ہے، اور نادانی سے کیا جائے تب بھی ٹھیک ہے کہ نادان ہی ہوتا ہے جو اللہ کے احکام کو بھلائے بیٹھا تھا کہ مسلمان کو گالی دی۔

جیسے "نادان کو اس بات کا بالکل نہیں پتہ، وتعز من تشاء وتذل من تشاء"

اس لئے کہ صحابہ سب عادل ہیں ثقہ ہیں جن کے لئے اللہ نے فرمایا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ، وکلا وعداللہ الحسنی۔اگر صحابہ میں سے کوئی بھی شرعی فاسق ہوتا پھر اللہ ان سے راضی نہ ہوتے، کہ آیت ہے "ان اللہ لا یرضی عن القوم الفاسقین۔"سورۃ التوبہ آیت نمبر 96

غزوہ تبوک:

ماہ رجب 9 ہجری

سخت حالات میں قربانیوں کی مثالوں میں سے ایک مثال۔ حتی کہ صحابہ روتے تھے کہ اگر ان کے جانے کا انتظام نہیں ہے۔ حضرات عبداللہ مغفل، عبد الرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنھما وغیرہ کی مثالیں قابل ذکر ہیں۔ اسی سفر میں ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جہاں اللہ کی رحمت برستی ہو وہاں تو جاتے رہنا چاہئے، اس کے الٹ جہاں اللہ کا عذاب نازل ہوا ہو وہاں سے بچ کر اور جلدی گذرنا چاہئے۔ جیسا کہ اس سفر کے دوران

نبی علیہ السلام نے صحابہ کو قوم ثمود کے باقیات سے جلدی گذرنے کی تاکید فرمائی ایسی جگہوں کو تفریح کا مقام بنانا مسلمانوں کے تو بالکل شایان شان نہیں ہے۔ جیسے آج کل "ڈیڈ سی" مشہور سیاحتی مقام بنا ہوا ہے، جس کے بارے میں علم ہے کہ یہ قوم لوط جس پر عذاب آیا تھا اس کی عبرتناک باقیات ہیں۔

بھلے ہی یوں کہا جائے، کیا پرانی باتیں کرتا ہے، یا نبی نے اس وقت فرمایا تھا، یا کونٹیکسٹ یعنی سیاق و سباق کو دیکھیں گے، کہ اگر تکبر نہیں ہے تو شلوار بھلے ٹخنوں سے نیچے رہے، کہ کفار کی مخالفت ہو تب داڑھی رکھیں گے، وہ حکم بس تب تھا، کہ کافروں کی مخالفت کرو۔ وہ حق صحابہ نے ادا کردیا ہمارے لئے لازم نہیں کہ ہم بھی یوں ہی کریں۔ یہ تو وہی بات ہے کہ ہم دعوی باپ کی محبت کا کریں مگر باپ کہے پانی پلاؤ اور ہم پھر بھی بیٹھے رہیں یہ کہتے کہتے کہ ہم آپ سے محبت کرتے ہیں۔ یا مجھے تو نہیں کہا، دوسرے بیٹے کو کہا ہے، بلکہ محبت تو یہ ہے کہ جتنے بھی ہیں سب ہی دوڑ پڑیں کہ میں حکم پورا کروں گا۔

غزوہ تبوک میں جانے کے لئے غریب لوگ آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے کہ ان کے لئے سواری فراہم کریں تاکہ وہ بھی اس جنگ میں شرکت کرسکیں اور جب آپ ان سے معذرت کرتے تو اس کا نقشہ قرآن مجید اس طرح کھینچتا ہے لا اجد ما احملكم عليه- تولوا واعينهم تفيض من الدمع حزنا الا يجدوا ما ينفقون-

میں تمہارے لئے سوار کرنے کے لئے کچھ نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں پارہے ہیں۔ التوبہ 92۔

صدقہ و خیرات کی اعلی مثالیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لئے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے دو سو اوقیہ (ساڑھے انیتس کلو) چاندی تھی، آپ نے یہ سب لشکر کے لئے صدقہ کردیا ساتھ ہی ایک ہزار دینار (ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے۔ اسکے بعد حضرت نے پھر صدقہ کیا، اور پھر صدقہ کیا یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، دو سو اوقیہ لے آئے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چار ہزار درہم اپنا کل مال لائے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اپنا آدھا مال اور بھی ہر اکابر

صحابہ کرام نے اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہم۔ عورتوں نے بھی ہار، پازیب بالی وغیرہ تک صدقہ کیا۔ الرحیق المختوم 584.

اسی سفر میں مقام ثمود سے لشکر کو روتے ہوئے جلدی گذرنے کا حکم دیا۔ اسی سفر کے دوران حضور نے ایک بار لشکر کو حکم دیا کہ آج رات تم ہر سخت آندھی چلے گی لہذا کوئی نہ اٹھے اور جس کے اونٹ ہوں وہ ان کی رسی مضبوطی سے باندھ دے۔ چنانچہ سخت آندھی چلی ایک شخص کھڑا ہوگیا نبی کی بات نہ مانی، انجام یہ ہوا، آندھی نے اسے طی کی دو پہاڑیوں کے پاس پھینک دیا۔

اسی غزوہ سے واپسی پر منافقین نے حضور کو شہید کرنے کی یا حضور پر حملہ کرنے کی کوشش کی جسے اللہ کے نبی نے حضرت حذیفہ کو بھیج کر رفع فرمایا کہ اللہ نے ان منافقین کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ بھاگ گئے۔ اسی سفر میں حضور نے حضرت حذیفہ کو ان منافقین کے نام راز کے طور پر بتائے اسی لئے حضرت حذیفہ کو رازدان رسول کہا جاتا ہے۔

سچی توبہ ہو، سچی ندامت ہو وہ قبول ہو جاتی ہے جیسا کہ ان تین مسلمانوں کی جو اس وقت حالت ایمان میں بغیر عذر کے غزوہ تبوک میں نہ جاسکے۔ حضرت کعب بن مالک حضرت مرارہ بن ربیع، حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم، انہوں نے سچ کہا اور بتایا کہ کوئی مجبوری نہیں تھی۔ سخت ناراضگی برداشت کی، مگر سچے نادم تھے، قرآن کی آیات نازل ہوئیں وعلى الثلثة الذين خلفوا، حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا اليه- ثم تاب عليهم ليتوبوا- ان الله هو التواب الرحيم-

سورۃ التوبہ 118.

خطبہ حجۃ الوداع:

یہ وقت آگیا تھا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے فرض کو خود عملی طور پر انجام دے کر امت کو اس رکن کے ادا کرنے کی تعلیم فرمادیں۔ گو اس سے پچھلے سال 9 ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ کی سرکردگی میں حج مسلمان ادا کرچکے تھے۔

اس بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جامعیت دین کے لئے بھی آخری عظیم خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ یہ آخری ملاقات تھی جو تمام صحابہ کے اجتماع عظیم سے ہوئی یہ بھی فرمایا تھا:" اسمعوا قولی فانی لا ارانی وایاکم ان تجتمع فی هذا المجلس ابدا، بعد عامی هذا"

یہ حج کا خطبہ بہت ہی مفید نصائح، دین کے نچوڑ، نظام زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی پر مبنی ہے، جو کہ بہتر ہے عربی میں یاد کرلیا جائے، اور اسکا ترجمہ بھی۔ پھر اسکے رہنما اصولوں میں زندگی گذاری جائے۔

حج کے خطبے کے عربی متن کے لئے مختلف سیرۃ اور احادیث کی کتب کا مطالعہ مفید ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد:

یہ واقعہ طلبہ اور اساتذہ کے لئے انتہائی مفید بھی ہے۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے کچھ دن بعد جبرائیل امین اجنبی شکل میں سفید کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ نبوی میں تشریف لائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ کو صاف اور عمدہ لباس میں ہونا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہایت ادب سے دو زانو یعنی التحیات کی حالت میں بیٹھ گئے جس سے ظاہر واضح ہوا کہ علم سیکھنے کے لئے استاذ کے نہایت قریب بیٹھنا ادب سے بیٹھنا اور کچھ حاصل کرنے کی شوق رکھنے کی نیت سے بیٹھنا۔

اسی طرح بیٹھنا جیسے کچھ حاصل کرنے کا شوق اور لگن ہو وہ حالت التحیات والی ہے اسی لئے التحیات میں بعد از درود دعا مانگی جاتی ہے جتنی لمبی ہوسکے کہ کچھ حاصل کرنا اور مانگنا اس کی بہترین اس طرح بیٹھنا ہے۔

علالت کے واقعات سے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علالت میں بھی مرتدین سے جہاد کی وصیت کی، اسود عنسی (جھوٹا نبوت کا دعوے دار) کو قتل کرنے کے لئے جماعت روانہ فرمائی اس کے علاوہ بھی تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔ **مشرکین جزیرہ عرب میں نہ ہوں، وفود کو رخصت کرتے وقت ہدیہ دیا کرو تیسری بات راوی بھول گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔** اس کے بعد ایک آخری خطبہ علالت میں مسجد میں ارشاد فرمایا جس

میں حضرت ابوبکر کے کئی فضائل اور مناقب بیان فرمائے جن میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں تھا۔ اور تاکید کی کہ نماز کی امامت کے لئے صرف ابوبکر کی تاکید کی۔ اسی طرح اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بارے میں ارشادات فرمائے۔ مہاجرین کو نصیحتیں فرمائیں، انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی اور سختی سے منع فرمایا کہ جیسے یہود و نصاری نے پیغمبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ایسا نہ کرنا۔ واقعہ یہ کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ مرض کی شدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں دوا ڈالی،۔۔۔۔

آپ منع فرماتے رہے مگر صحابہ نے یہ سمجھ کر کہ غالبا طبعی ناگواری ہے جو ہر مریض کو ہوتی ہے،

نہ رکے۔

بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ (طبیعت بہتر) ہوا تو فرمایا کہ تم کو منع کیا تھا اب سزا یہ ہے کہ سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے۔ مریض اگر علاج نہ کروانا چاہے دوا نہ پینا چاہے تو شاید اسکے جواز کی ایک دلیل یہ ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ عبد۔

آخری کام جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت نزاع سے کچھ پہلے فرمایا وہ مسواک ہے، اسی لئے مسواک کو بہت اہمیت دینی چاہئے۔

موت کی سختی

یہ بھی خوب سمجھ لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موت کی تکلیف میں تھے، تکلیف کیسی تھی، پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بے تاب ہوکر بار بار ہاتھ اس پیالے میں ڈالتے اور منہ پر پھیرتے اور کہتے جاتے تھے لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات۔ بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ موت کس قدر سخت ہے، اور اس موت کی تکلیف کا ہم اندازہ بھی نہیں کرتے نہ اسے یاد کرتے ہیں۔ جب حبیب اللہ کا یہ عالم ہے تو ہم کس طرح امید کرتے ہیں کہ موت کی سختی سے بچ رہیں گے۔ بلاشبہ موت کا انکار تو ملحد بھی نہیں کرتے۔ اس میں تو مسلمان اور مشرک سب برابر ہیں۔

فرق یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان موت کو روزانہ یاد کرے اور اس کی تیاری کرے۔

وما علینا الا البلاغ۔

غم و حزن اکبر

پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک اس امت کے لئے سب سے بڑا غم ہے۔ جب کوئی غم یا دکھ پیش آئے تو اس غم کو یاد کر لینا چاہئے۔ سارے غم ہلکے نظر آئیں گے۔ لیکن اس کے لئے بہت ہی زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاء اعلیٰ اور اللہ کے قرب کو اختیار کیا۔ اللھم فی الرفیق الاعلی کہتے رہے۔ اور یہ جان گداز، روح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض وبرکات، وحی کے انوار سے محروم کردیا۔ **(مشہور روایت کے مطابق) بروز پیر دوپہر کے وقت بارہ ربیع الاول گیارہ ہجری کو پیش آیا۔**

وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور عمل مبارک مسواک کرنا ہے، مسواک کرتے رہنے سے موت کلمہ شہادت جاری ہونے کی قوی امید ہے۔ وہی نشہ پر مواظبت سے یہی امکان سلب ہونے کی امید ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ مبارک کا کچھ حصہ ضروری ہے کہ یہاں شامل ہو: اگر آپ کی موت آپ کی خود اختیار کردہ نہ ہوتی تو ہم آپ کے لئے جانیں قربان کر دیتے۔

آپ حیات اور موت دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے، آپ کی وفات سے نبوت اور وحی دونوں ختم ہوگئیں جو کسی اور نبی کی وفات سے ختم نہ ہوئی تھیں (از سیرۃ المصطفیٰ)

اے اللہ ہمارا یہ حال ہمارے نبی کو پہنچا دے۔ اور اے محمد ہم کو بارگاہ الہی میں یاد رکھنا۔

یہاں آکر کتاب مکمل ہوئی، فالحمد للہ۔ آخر میں ایک نعت جو بغیر نقطہ والے حروف سے لکھنے کی کوشش کی ہے۔

ہادی عالم کے نام سے پیش خدمت ہے؛

ہادی عالم، عالم کو عطا ہوا۔

رحم کرم کا اس دم معاملہ ہوا۔

رسول ہوئے مکہ سے حرا راہی،

حمد کرکے اللہ کی دل آسودہ ہوا۔

ہمدم رسول ہوئے اس دم کمال

اس دم وہ اعلی دعوی ہوا. (دعوائے نبوت)

گھر والی اول کا دل اول آمادہ ہوا،

کمال کا ہوا، رسول کا دعویٰ ہوا۔

عمر کا اصرار ہوا در رسول کا اص،

لاح کا اسکی اللہ کا ارادہ ہوا۔

اسلام سے اسکے اہل مکہ ہوئے دکھی،

ادھر اسلام کو کامل حوصلہ ہوا۔

امر وحی کے دس سال ادھر،

سال صدموں کا ہوا صدمہ ہوا۔

وداع مکہ حکم ہوا رسول ہوئے راہی،

سوئے معمورۂ رسول کہ حکم اعلی ہوا۔

معرکہ احد سے اک درس ملا ہم کو،

رسول کہے، امر کا عمل، وہ علم ملا ہم کو۔(جبل کو نہ چھوڑا جائے)

علم و عمل سے ہوئے محور، محرم کس طور،

ساٹھ اور دس ہمدموں کا معاملہ ہوا، (ستر صحابہ حفاظ جو شہید ہوئے)

اردوئے معرا کا طور ہے اعلیٰ

لعل کے لعل کا لعل کمالا ہوا۔ (عبدالباسط بن قیصر حسین بن لعل خان)

-

اس کے بعد وہ نعتیہ اشعار جو احقر اور اس کے دوست نے مل کر لکھے، امید ہے قارئین کو پسند آئے۔

نبی ہیں ہی وجہ تخلیق جہاں لوگو

بحر و بر انہی کی بدولت اور یہ سماء لوگو (سماء کا مطلب آسمان)

شمس و قمر اور ستارے اور ہے نور کائنات

معلوم اللہ ہی کو ہے جتنی ہے ان کی شاں لوگو

قابل سفارش کوئی نہ ہوگا بروز حشر ان کے سوا

حالت لوگوں کی جس دن ہوگی بہت گراں لوگو

ہوگا ہر کوئی ڈر و خوف میں حکمت والے سے

امید میں اپنی سب نفسی کا بنائیں گے سماں لوگو

خلق خدا ان کی شاں دیکھے گی انہیں کے ماتحت ہوگی

عمدہ خصلتوں تعریفوں والے وہی ہیں خیر الوریٰ لوگو

عطا ہوا انہیں نور ایسا کہ بلا حجاب نور پر نور ہیں

خلیق اتنے کہ جہالت ناس میں وعظ ان کا دیکھو ذرا لوگو

سیرابی صحابہ سنی، صحابہ سے، معجزہ پانی جب ہوا تھا

بے عیب تھے حسین اتنے کہ سورج بھی گیا شرما لوگو۔

شریفوں کے سردار تھے بہت عطا کرنے والے عظیم الخلق تھے

روشنی کا مینار تھے ہدایت کا علم اور بدر الدجیٰ لوگو

سفارش میں اپنی رکھیں یاد عبد الباسط کو اے سردار

ڈرا ہوا بہت ہے گناہ و خطا ہیں اس کی وجہ لوگو۔

فقط عبدالباسط، جو آپ کے لئے دعا گو ہے، اور آپ سے اپنے اور اپنے گھر والوں، اعزاء، اقرباء، کی دعاؤں کی درخواست کرتا ہے۔ ایک میل ہے: hafizabdulbasit249@gmail.com.